نبیلہ ابر راجہ

ہار سنگھار میرے تو جینا

گھر میں مرگ کا سا سماں تھا۔ عالیہ سر منہ لپیٹے پڑی تھیں۔ عاشر نگاہیں چرا کر کمرے میں بند ہو گیا تھا۔ عالیہ کی ڈبڈبائی آنکھیں اور افسردہ صورت دیکھنا اس کے بس سے باہر تھا۔ ان کی نگاہیں بار بار سامنے تخت پر رکھے شاپنگ بیگ پہ جاتیں اور پلٹ کر ہاتھ کی لکیروں سے الجھنے لگتیں۔ وہ ان میں ماضی کو تلاش کر رہی تھیں۔ بہت دیر بعد وہ نڈھال سی اٹھیں اور شاپر اپنی طرف گھسیٹا اور ہمت کر کے اس کے اندر رکھی چیزیں ایک ایک کر کے باہر نکالیں۔ سب سے اوپر سرخ رنگ کے جیولری کیس میں سونے کی انگوٹھی تھی۔ یہ ہلکے سے وزن کی نگ لگی سونے کی عام سی انگوٹھی تھی۔ لیکن عالیہ کے نزدیک یہ انگوٹھی اتنی عام اور کم قیمت نہیں تھی۔ اس انگوٹھی سے تو ان کے خواب جڑے تھے۔ کتنے ارمانوں سے انہوں نے یہ انگوٹھی چار سال پہلے ماہ نور کی انگلی میں پہنائی تھی۔ وہ دن یاد آتے ہی ان کے دل میں ہوک سی اٹھی اور آنکھوں میں رکا ساون جھم جھم برسنے لگا۔ کچھ دیر بعد عالیہ نے کپکپاتے ہاتھوں سے شاپر میں ایک بار پھر ہاتھ ڈال کر رنگین کپڑوں کے چار سوٹ باہر نکالے۔ یہ چار سوٹ چار عیدوں پہ ماہ نور کے لیے بڑے چاؤ سے خریدے گئے تھے۔ ساتھ میں ہم رنگ چوڑیاں، ہیئر کلپ اور امیٹیشن جیولری تھی۔ کپڑے جوں کے توں تھے بغیر سلے۔ لگتا تھا انہیں ایک بار بھی نہیں دیکھا گیا ہے جیسے انہوں نے بھیجے تھے ویسے ہی واپس آ گئے تھے۔

ماہ نور ایک سے ایک مہنگا کپڑا پہنتی تھی یہ عام سے ہزار پندرہ سو کے چار سوٹ اس کے اعلیٰ ذوق کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتے تھے۔ وہ سب چیزوں کو آنکھوں سے لگا لگا کر رو رہی تھیں جیسے اپنے اجڑے

مکمل ناول

READING CORNER
http://readingcorner...

خوابوں کا ماتم کر رہی ہوں۔ رافعہ ان کی بڑی بہن ان کی امیدوں کا قتل کر کے واپس جا چکی تھیں۔ لفظ تھے یا سلگتے انگارے جو ان کی زبان سے ادا ہوئے تھے۔

سالوں کی محبت اور بھرم پر ایک لمحے نے پانی پھیر دیا تھا۔ ماہ نور اور عاشر کا رشتہ جو بڑی خالہ نے سالوں پہلے مذاق مذاق میں محبت سے باندھا تھا ٹوٹ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

طارق اور امین کی بیویاں آپس میں بہنیں تھیں۔ طارق کاروباری سوجھ بوجھ رکھنے والے بہت ہوشیار شخص تھے انہوں نے اپنا تمام سرمایہ کپڑے کے کاروبار میں لگایا تھا۔ چھوٹے پیمانے پر شروع کیا جانے والا کام کچھ ہی عرصے میں ان کے لیے نفع بخش بن گیا تھا۔ انہوں نے دونوں بیٹوں کو بھی اپنے ساتھ شامل کر لیا۔ باپ بیٹے تینوں محنتی تھے 'دیکھتے ہی دیکھتے کہاں سے کہاں پہنچ گئے۔

طارق اور امین دونوں ایک ہی محلے میں رہائش پذیر تھے۔ گھر بھی ساتھ ساتھ تھے۔ معیار زندگی اور کاروبار میں ترقی کے بعد طارق تو شہر کے ایک اور اچھے علاقے میں شفٹ ہو گئے جبکہ امین وہیں پہ تھے۔ طارق ان کا گہرا دوست تھا۔ اس کے مشورے پہ امین نے بھی اپنی جمع پونجی کپڑے کے کاروبار میں جھونک دی 'لیکن قسمت نے ان کا ساتھ نہ دیا۔ کاروبار نے ترقی کیا کرنی تھی "اتنا مالی مشکلات نے گھر کا راستہ دیکھ لیا۔ پہلے ادھار اور پھر گھر بکنے کی نوبت آگئی۔ کسی نہ کسی طرح امین نے قرض خواہوں کا منہ کچھ عرصے کے لیے بند کیا' لیکن تمام عمر تو ایسے نہیں گزاری جا سکتی تھی۔ انہیں لیے گئے قرض لوٹانے ہی تھے۔ اللہ کے سوا بیوی اور بیٹے کا آسرا نہ تھا۔ دور دور تک کوئی ہاتھ پکڑنے والا نہ تھا۔ امین نے خاموشی سے رہنے کا ٹھکانہ فروخت کر کے قرض اتارا۔

وہ عاشر اور عالیہ کے ساتھ ایک چھوٹے سے کرائے کے گھر میں اٹھ آئے۔ عرصہ پہلے عالیہ اور رافعہ کی بڑی بہن شافعہ نے ایک دن ان کے گھر بیٹھے بیٹھے ہی اپنے سب بھانجے بھانجیوں کے رشتے آپس میں جوڑے۔ عاشر کا جوڑا انہوں نے ماہ نور کے ساتھ جوڑا۔ باتوں باتوں میں کیا جانے والا یہ رشتہ دونوں خاندانوں کو ہی پسند آگیا۔ طارق اور امین کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ عالیہ نے بڑے چاؤ سے ماہ نور کی انگلی میں عاشر کے نام کی انگوٹھی پہنائی۔ اس رشتے کو مضبوط حیثیت مل گئی تھی۔

عاشر اور ماہ نور رشتہ ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے دوست بھی تھے۔ گھنٹوں ہر موضوع پہ باتیں ہوتیں 'چھوٹی موٹی لڑائیاں بھی چلتیں۔ ان کے تعلق پہ کسی کو اعتراض نہ تھا۔ رافعہ اور عالیہ خوش ہوتیں۔ منگنی کے بعد ان کی دوستی میں اور گہرائی آگئی تھی۔ عاشر نے کبھی اس سے اظہار محبت نہیں کیا تھا اور نہ ماہ نور ان باتوں کو اہمیت دیتی تھی 'لیکن در پردہ دونوں ہی ایک دوسرے کے جذبات سے واقف تھے۔ ان کا قلبی تعلق مضبوط سے مضبوط تر ہو گیا تھا۔

عاشر نے لمبے چوڑے وعدے نہیں کیے 'نہ خواب دکھائے تھے' نہ آتے جاتے معنی خیز نگاہوں سے شرارتیں کی تھیں۔ اسے پتا تھا ماہ نور خالہ کی بیٹی ہے منگنی ہو چکی ہے شادی ہو گی تو ایک نئی زندگی کا آغاز ہو گا تب ماہ نور کو حال دل سناتے اسے کسی بھی قسم کی کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہو گی۔

یہی وجہ تھی کہ ماہ نور کو ان کے ہاں آنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہوتی۔ وہ تقریباً" روز ہی خالہ کے گھر آتی۔ کبھی وہ گھر میں نہیں بھی ہوتیں تو ماہ نور بیٹھ جاتی۔ اسے عاشر کے پاس اکیلے بیٹھ کر کبھی بھی ڈر نہیں لگا تھا۔ وہ دونوں دنیا جہان کے موضوعات پہ بولتے بحث کرتے لڑنے کی نوبت بھی آجاتی ایسے میں عاشر خاموش ہو کر ہار مان لیتا کیونکہ اسے ماہ نور کی شکست پسند نہیں تھی۔ عید تہوار پہ عالیہ بڑے چاؤ سے چوڑیاں مہندی اور کپڑے ماہ نور کے لیے بھیجتیں۔ وہ اب کرائے کے گھر میں دوسرے محلے میں آگئے تھے 'لیکن پھر بھی چار پانچ ماہ بعد عالیہ بہن اور بہنوئی کی طرف چکر لگا لیتیں۔ رافعہ اور طارق کا آنا کم ہو گیا تھا۔ ایک تو وہ بہت دور چلے گئے تھے دوسرے طارق کے پاس مصروفیت کا بھی جواز تھا۔

امین نے ایک پرائیویٹ فرم میں نوکری کر لی تھی۔ عاشر کالج میں پڑھ رہا تھا۔ پڑھائی سے فارغ ہو کر وہ ایک آٹو ورکشاپ میں کام سیکھنے جاتا۔ استاد جاوید کو خاموش طبع سنجیدہ متین چہرے والا عاشر بہت پسند تھا۔ کام سیکھنے کے ساتھ ساتھ وہ استاد جاوید کے تینوں بچوں کو ٹیوشن بھی پڑھاتا۔ استاد جاوید خود تو ان پڑھ تھا' لیکن اپنے بچوں کو اعلا تعلیم دلوانا چاہتا تھا۔ عاشر بچوں کو محنت سے پڑھاتا اسی وجہ سے استاد جاوید اس پہ خصوصی طور پر مہربان تھا۔

عاشر کی کالج کی تعلیم مکمل ہو چکی تھی۔ تلاش بسیار کے باوجود اسے اچھی جاب نہیں ملی تھی۔ وہ استاد جاوید کی ورکشاپ میں ہی لگا ہوا تھا۔ میٹرک میں اس نے استاد جاوید کے پاس جانا شروع کیا تھا۔ ساڑھے چار سال کے دوران اس نے گاڑیاں ٹھیک کرنے کا سب کام سیکھ لیا تھا۔ اب اسے گاڑیوں کے نیچے لیٹ کر ہاتھ منہ کالے کرنے پڑتے تھے۔ استاد جاوید نے اسے چھوٹا سا آفس بنا دیا تھا جہاں ایک عدد کمپیوٹر بھی تھا۔ عاشر ورکشاپ میں مرمت ہونے والی گاڑیوں کی خرابیوں اور مرمت کا تخمینہ لگا کر کمپیوٹر میں فائل بناتا' ریکارڈ بناتا۔ آمدنی اور خرچ کے گوشوارے بناتا۔ اگر کوئی ورکشاپ میں نہ ہوتا تو مرمت کے لیے آنے والی گاڑیوں کو بھی دیکھتا۔

امین صاحب نے اسے آٹو ورکشاپ میں کام سیکھنے کے لیے راضی کیا تھا۔ انہوں نے آنے والے وقت کی مشکلات کو شاید بھانپ لیا تھا۔ عاشر اعلا تعلیم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اسے ڈاکٹر بننے کا شوق تھا 'لیکن امین صاحب کے وسائل میڈیکل جیسی مہنگی تعلیم افورڈ نہیں کر سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے عاشر کو کام سیکھنے کے لیے استاد جاوید کی ورکشاپ میں بھیجا تھا۔ وہ حساس تھا اور گھر کے حالات سے اچھی طرح واقف تھا' اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا تھا۔ استاد جاوید کے حالات زندگی اس کے سامنے تھے۔ آٹو ورکشاپ سے وہ اتنا کما لیتے کہ تینوں بچوں کی مہنگی تعلیم کا خرچا بخوبی پورا ہو رہا تھا' اچھا گھر بنا لیا تھا' گاڑی تھی' خوشحالی تھی۔ شہر کے نمایاں علاقے میں تین دکانیں بنا کر کرائے پہ دے دی تھیں۔ عاشر بہت محنت سے کام سیکھ رہا تھا۔ استاد جاوید نے اسے کبھی بھی "اوئے چھوٹے" کہہ کر نہیں بلایا تھا۔ وہ اچھی سا پڑھا لکھا تھا 'لیکن زمانہ شناس اور اچھے اخلاق کا مالک ایمان دار آدمی تھی۔ وہ گاڑی میں چار سو کا پرزہ ڈال کر چار ہزار کا بل نہیں بناتا تھا۔ اس لیے اس کی ورکشاپ میں کام کا رش ہی رہتا۔ اس کی ایمان داری کے سبب اس پہ اللہ کی خاص رحمت تھی۔ عاشر نے استاد جاوید سے بہت کچھ سیکھا تھا۔ کام کے ساتھ ساتھ اس نے زندگی کے تجربات بھی عاشر کو سکھا دیے تھے۔

☼ ☼ ☼

عالیہ باہر تخت پہ لیٹی رو رہی تھیں جبکہ اندر کمرے میں لیٹے عاشر کے آنسو اس کے دل پہ گر رہے تھے۔ رافعہ خالہ کے جملے دل پہ چھریاں چلا گئے تھے۔

"ماہ نور کے ابا کا ارادہ بدل گیا ہے۔ سچ پوچھو تو ہمارے گھر میں کوئی بھی راضی نہیں ہے۔ ماہ نور کہتی ہے کہ عاشر اس کے سہارے ترقی کرنا چاہتا ہے کیونکہ شادی کے بعد ماہ نور کے ابا جہیز میں بچی کو فلیٹ اور گاڑی بھی دیں گے۔ اب میں کیا کروں' ماہ نور کی سوچ بدل گئی ہے۔ میں تمہاری انگوٹھی اور کپڑے لے آئی ہوں۔ ماہ نور نے تو ان کو ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ تم برا مت ماننا' عاشر اور ماہ نور کا جوڑ نہیں ہے۔ میری بچی یونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے جبکہ عاشر صرف چودہ جماعتیں پاس ہے۔ گھر تک اپنا نہیں ہے۔ ماہ نور کے ابو بیٹی سے بہت پیار کرتے ہیں۔ تمہیں پتا تو ہے۔"

رافعہ خالہ کا ایک ایک لفظ عاشر نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ بے اختیار دل نے تمنا کی تھی کہ کاش یہ

سب جھوٹ ہو۔ جو خالہ کہہ رہی ہیں وہ سچ نہ ہو۔ بھلا ماہ نور یہ سب کیسے کہہ سکتی ہے۔ عاشر کا دل چاہ رہا تھا خالہ سے کہے کہ خالو اگر فلیٹ اور گاڑی جہیز میں بھی کو دے رہے ہیں تو وہ کیا کرے۔ اسے ان کا لالچ نہیں ہے۔ یہ تو وہ سالوں سے سنتا آرہا تھا کہ خالو ماہ نور کو گاڑی اور فلیٹ دیں گے۔ ماہ نور کا خیال تھا کہ جہیز میں ملنے والے فلیٹ اور گاڑی کا سن کر عاشر کی نیت بدل گئی ہے اس لیے وہ ڈھنگ سے کوئی بھی جاب نہیں ڈھونڈ رہا ہے صرف ڈرامہ کر رہا ہے۔ برسوں پہلے قائم

کیا گیا رشتہ رافعہ خالہ توڑ گئی تھیں۔ ابھی امین صاحب آفس سے نہیں آئے تھے۔ گھر لوٹتے۔ اس روح فرسا حقیقت کا سامنا انہیں بھی لازمی کرنا تھا۔ صبح سے شام تک جان توڑ مشقت اور محنت نے انہیں بری طرح تھکا ڈالا تھا۔ ان کی سب امیدیں عاشر سے وابستہ تھیں وہ ڈیڑھ سال سے باہر جانے کی کوششوں میں لگا ہوا تھا' لیکن بات بن کے نہیں دے رہی تھی۔ اس کوشش میں استاد جاوید پوری طرح اس کا ساتھ دے رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

دوپہر کا سورج سر پہ آگ برسا رہا تھا۔ افراح اپنے قدموں کو گھسیٹتی ہوئی گھر کے اندر داخل ہوئی تھی۔ صحن اور برآمدہ سنسان پڑا تھا کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔ قیامت خیز گرمی تھی پسینہ دھاروں کی شکل میں سر سے پاؤں تک بہہ رہا تھا۔ سب اپنے اپنے کمروں میں دبکے ہوئے تھے۔ جنریٹر کی پر شور آواز ظاہر کر رہی تھی کہ بجلی حسب معمول نہیں ہے۔

اس نے تھکے تھکے انداز میں اپنے کمرے میں قدم رکھ کر سب سے پہلے سوئچ بورڈ ٹٹول کر پنکھے کا بٹن آن کیا اور پرس پھینکنے والے انداز میں بیڈ پہ رکھا چادر کو جسم سے الگ کیا۔ ذرا حواس بحال ہوئے تو فریج کا رخ کیا صد شکر کہ ٹھنڈے پانی کی تین چار بوتلیں موجود تھیں۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے پیاس بجھائی۔

اب پیٹ کی آگ ستا رہی تھی۔ اسے سرد کرنے کے لیے افراح نے باورچی خانے کا رخ کیا۔

وہاں تو ایسا لگ رہا تھا جیسے دشمن کی فوجیں سب کچھ اجاڑ کر تباہ برباد کر گئی ہیں۔ سنک گندے برتنوں سے بھرا تھا۔ کچن کی شلف پہ ایک پانی کا گلاس تک رکھنے کی گنجائش نہ تھی۔ یہی حال فرش کا تھا۔ دو بڑے پتیلے وہاں محو استراحت تھے۔ اس نے ایک کا ڈھکن اٹھا کر اندر جھانکا۔ تہہ میں کنارے کے ساتھ بچے کھچے چاول نظر آرہے تھے۔ شلف پہ دو پتیلیاں پڑی تھیں اس نے مایوسی سے ڈھکن اٹھایا۔ تھوڑی سی پالک پڑی نظر آرہی تھی۔ پہلی بار اس کی آنکھوں میں خوشی نمودار ہوئی۔ فریج سے آٹا نکال کر اس نے فوراً شلف سے برتن ہٹا کر اپنے لیے روٹی پکائی۔ پتیلے کی تہہ میں بچ جانے والے چاول اس نے پلیٹ میں ڈالے اور کمرے میں واپس آگئی۔ پنکھا اپنی مخصوص رفتار کے ساتھ گھرر گھرر کی آوازیں پیدا کر کے چل رہا تھا۔ "تنخواہ ملے تو نیا پنکھا لوں گی۔" اس نے روٹی کھاتے ہوئے دل میں ارادہ کیا۔ اس کا دل کر رہا تھا کھانے کے بعد پاؤں پسار کے ادھر ہی سو جائے' لیکن باورچی خانے کی حالت زار سونے کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

خالی برتن لے کر وہ دوبارہ واپس آگئی۔ سب سے پہلے اس نے شلف صاف کیا پھر برتنوں کے ساتھ نبرد آزما ہوئی پسینہ ایک بار پھر پورے جسم پہ رینگنے لگا تھا۔

برتن دھو کر باورچی خانے کو صاف حالت میں لانے میں ایک گھنٹے سے زیادہ وقت صرف ہوا' لیکن ہر چیز اب دھل دھلا کر صاف ہوگئی تھی۔ کام والی ماسی دن میں اپنے حساب سے صفائی کر کے چلی جاتی تھی۔ بعد میں جو گند مچتا اس کی بلا سے۔ صاف کرنے کی ذمہ داری اس کی نہیں تھی۔ اس نے تو دوسرے دن ہی آنا ہوتا تھا۔ افراح اسکول سے آکر کھانا کھا کر بہت سے کام نمٹا لیتی تھی۔ دونوں بھابھیاں بازلہ اور عادلہ شام میں اپنی آل اولاد سمیت باہر نکلتیں۔ پھر چائے کا دور چلتا۔ چائے بنانے کی ذمہ داری افراح کی ہی تھی اور ظاہر ہے

چائے کے بعد برتن بھی دھونے پڑتے۔

فارغ ہوتے ہوتے اسے کافی دیر ہو جاتی تھی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں سب کے ساتھ بیٹھتی تو چلتی زبانیں سرد مہری اوڑھ لیتیں۔ حالانکہ اس کے آنے سے پہلے ماحول اچھا خاصا خوش گوار ہوتا۔ اس کے آنے کی دیر ہوتی اسے لگتا کوئی آدم بو آدم بو کرتا سب کو پتھر کا بنا گیا ہو۔ کچھ دیر وہ بھی جبر کرتی خود پہ لیکن پھر اٹھ آتی۔ اس کے غائب ہوتے ہی پھر سے آوازیں زندہ ہو جاتیں۔

وہ اپنے کمرے میں آکر عشا کی نماز پڑھ کر چھت پہ چلی جاتی۔ ٹہلتے ہوئے وہ استغفار اور درود شریف کی کئی تسبیح پڑھ لیتی۔ جب پاؤں اور جسم تھک جاتا تو سیڑھیاں اتر کر کمرے میں آجاتی۔ اس کے چھوٹے سے بک شلف میں کئی کتابیں تھیں جو اس نے پیسے بچا بچا کر خریدی تھیں۔ کوئی نہ کوئی کتاب ہاتھ میں اٹھاتی تو سارے دن کی تھکن ہوا میں تحلیل ہو جاتی۔

یہ بک شلف ابا کا تھا جو انہوں نے بڑے شوق سے برسوں پہلے لکڑی خرید کر خود بنوایا تھا جب وہ حیات تھے تب یہ ان کے کمرے میں تھا۔ ابا اماں کے یکے بعد دیگرے دنیا سے اٹھ جانے کے بعد افراح بک شلف اپنے کمرے میں لے آئی تھی۔ انہیں کتابیں خریدنے، پڑھنے، جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ یہ شوق افراح میں منتقل ہوا تھا۔ تنخواہ ہاتھ میں آتے ہی وہ سب سے پہلے بک اسٹور کا رخ کرتی تھی جہاں سے کتابیں بیس تیس فی صد کم قیمت میں مل جاتی تھیں۔ ابا کی وفات کے بعد ان کی تمام کتابیں کمرہ صاف کروانے کے بہانے بڑی بھابھی نے ردی والے کو اونے پونے داموں دے دی تھیں۔ اس دن افراح بہت روئی تھی اسے ایسے لگ رہا تھا آج ابا دوسری بار مرے ہیں۔ ان کا بک شلف خالی ہو چکا تھا افراح نے اسی زمانے میں اسے اپنے کمرے میں منتقل کروایا تھا۔ ابا کی یاد اب اس کے ساتھ تھی اپنی یادگار کے ساتھ۔ ہر مہینے وہ کتابیں خرید کر اس میں سجاتی۔ آہستہ آہستہ وہ بھرتا جا رہا تھا۔

پچھلے مہینے وہ صرف "کولن اینڈ ریوز" کا ناول "دی فاؤنٹین ہیڈ" ہی خرید پائی تھی۔ کیونکہ کچھ ہنگامی ضروریات پیش آگئی تھیں۔ بازلہ اور عادلہ بھابھی اس شوق پہ اس کا مذاق اڑاتیں بلکہ انہیں افراح کا ہر شوق' عادت' چیز مضحکہ خیز لگتی۔ وہ سب باتوں سے اچھی طرح آگاہ تھی' لیکن کبھی پلٹ کر انہیں جواباً کچھ نہیں کہا تھا۔ ابا کے بعد اس کے ہونٹ جیسے کچے دھاگے سے سل گئے تھے۔ اسے لگتا تھا جیسے آہستہ آہستہ وہ باتیں کرنا بھی بھولتی جارہی ہے۔ گھر آنے کے بعد اس کا زیادہ وقت خاموشی میں ہی کٹتا۔ ابا اماں کی زندگی میں ایسا کچھ نہ تھا بلکہ اس گھر میں سب کے قہقہے گونجا کرتے تھے۔ دونوں بھابھیاں' ان کے بچے

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ساری بھول ہماری تھی	راحت جبیں	300/-
او بے پروا جن	راحت جبیں	300/-
ایک میں اور ایک تم	تنزیلہ ریاض	350/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	350/-
دیمک زدہ محبت	صائمہ اکرم چوہدری	300/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
دل موم کا دیا	سائرہ رضا	300/-
سادا چڑیا دا چنبا	نفیسہ سعید	300/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
مصحف	نمرہ احمد	300/-
دست کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	750/-
محبت من محرم	نمرہ احمد	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

بھائی، اماں، ابا اور خود افراج مل کر رونق لگاتے۔ تب افراج زور زور سے ہنسا بھی کرتی تھی اور اماں اسے ایسے ہی ہنستے رہنے کی دعا دیا کرتیں۔

ابا کتابیں پڑھنے اور سب میں محبتیں بانٹنے کے شوقین۔ شام میں آفس سے لوٹتے تو افراج کے لیے کھانے کو کچھ نہ کچھ ضرور لاتے۔ وقاص اور عدنان بھائی ہر ماہ اسے پاکٹ منی دیتے۔ ابا اس کے علاوہ الگ سے پیسے دیتے۔ کالج میں پورا ماہ کھاپی کے بھی اس کے پاس پیسے بچ جاتے۔

ابا نے اسی زمانے میں اسے ساتھ لے جا کر اس کا بینک اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔ اکاؤنٹ کھلوانے کے بعد وہ برابر اسے ہر ماہ پیسے دیتے۔ سال کے اختتام پہ افراج نے حساب کیا تو اس کے اکاؤنٹ میں اچھے خاصے پیسے جمع ہو گئے تھے۔ یعنی وہ بلا شرکت غیرے ان پیسوں کی مالک تھی۔ ایک عجیب سی خوشی ہوئی تھی اسے۔ اس کے پاس جو بھی پیسے بچ جاتے وہ بینک میں لے جا کر جمع کروا دیتی۔ اپنی ملکیت کا احساس ہی کچھ اور تھا۔

اس کے پیارے ابا ہر خاص موقع پہ اسے کتابوں کا تحفہ دیتے۔ ان ہی کتابوں نے اس میں کتب بینی کے شوق کو پروان چڑھایا۔ ابا جب تک زندہ رہے اس کی مطلوبہ کتابیں لا لا کر دیتے رہے۔ ابا اپنی اس لاڈلی اکلوتی بیٹی کی حساسیت سے بخوبی آگاہ تھے۔ چپکے چپکے اپنے جاننے والوں میں انہوں نے اس کے رشتے کا کہا ہوا تھا۔ وہ افراج کے لیے اسی جیسا پیار کرنے والا ہمدرد، حساس، پُرخلوص ہم سفر ڈھونڈ رہے تھے۔ افراج کالج کی تعلیم مکمل کرکے یونیورسٹی میں آگئی تھی۔ رشتے آتے پر اتفاق تھا کہ قسمت کوئی ابا کی نگاہ میں جچتا ہی نہیں تھا۔ وہ اس کے لیے خوب سے خوب تر کی تلاش میں تھے۔ اسی تلاش میں وہ ایک دن منوں مٹی تلے جا سوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے اماں کو بھی جانے کی جلدی تھی۔ دونوں نے ایک بار بھی نہیں سوچا ان کی لاڈلی ڈرپوک بزدل بیٹی پہ ان کے جانے کے بعد کیا گزرے گی۔

تبدیلی اتنی جلدی آئی تھی کہ افراج کو سوچنے کی، بولنے کی احتجاج کرنے کی مہلت بھی نہیں ملی تھی۔ اماں ابا اور اس کا کمرا پہلو بہ پہلو ساتھ ساتھ تھا۔ بازلہ بھابھی نے اماں ابا کا کمرا ان کا سامان نکال کر بچوں کے لیے سیٹ کر دیا۔ عادلہ بھابھی بھی ان سے پیچھے نہیں رہیں۔ انہوں نے اسٹور روم کے ساتھ والے کمرے کو افراج کی جائے پناہ بنا کر اسے اس کے اپنے کمرے سے محروم کر دیا۔ افراج کا کمرا عادلہ بھابھی کے جہیز کے برتنوں کی الماری اور ڈائننگ ٹیبل و کرسیوں سے سج گیا تھا۔ انہوں نے اسے مزید اضافہ تزئین و آرائش کرکے ڈائننگ روم کی صورت دے دی تھی۔ افراج کا بیڈ، کپڑوں کی الماری، ڈریسنگ ٹیبل سب اسٹور روم کے ساتھ والے کمرے میں منتقل ہو گئے تھے۔ یہ کمرا اس کے اپنے کمرے کے مقابلے میں خاصا چھوٹا تھا لیکن اس نے طریقے سلیقے سے فرنیچر سیٹ کرکے گھٹن اور جگہ کی تنگی کے احساس کو کم کر دیا تھا لیکن دلوں میں جو تنگی آ گئی تھی اس کا وہ کچھ نہ کر سکی۔

پہلے عادلہ اور بازلہ بھابھی نے اس سے بات کرنا بند کیا پھر بچوں کو بھی اپنی راہ پہ لگایا۔ وقاص اور عدنان بھائی بھی اس کے لیے اجنبی ہو گئے تھے۔ پہلے ہر ماہ وہ دونوں اسے پاکٹ منی دیتے تھے "کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا" کہنا بھولتے نہیں تھے، لیکن اماں، ابا کے بعد اب تو وہ بھولے سے بھی اسے پوچھتے نہیں تھے۔ افراج کے بینک اکاؤنٹ میں موجود رقم کا حجم سکڑتا جا رہا تھا۔ اسے مانگنے کی عادت نہیں تھی نہ واویلا کرنے کی۔ ابا کی تربیت نے اس کے اندر دو چیزیں جیسے اندر تک اتار دی تھیں۔ ایک ہر چیز کا روشن پہلو دیکھنا، مثبت انداز میں سوچنا اور دوسرے خودداری۔ ابا کی زندگی میں اسے خودداری اور عزت نفس کا حقیقی مفہوم سمجھ میں نہیں آیا تھا۔ تب وقت، رشتے اور پیار اس پہ مہربان تھا، ہر ضرورت بن کہے پوری ہوتی۔ اس خودداری اور عزت نفس نے تب اپنے وجود کا احساس دلایا جب اس کی گھر میں پہننے والی چپل پھٹ گئی۔ وہ پورے چار دن اس پھٹی ہوئی چپل کے ساتھ پورے گھر میں پھرتی رہی۔ کسی بھائی، بھابھی نے توجہ نہیں

دی۔

ضرورت بیان کرتے ہوئے اس کی زبان بھی لڑکھڑانے لگتی تب اس نے پہلی بار اپنے اکاؤنٹ سے چیک بھر کر پیسے نکالے اور بازار سے وہ سلیپر خرید لائی اور خوشی خوشی بھابھیوں کو دکھائے۔

"میری گھر میں پہننے والی چپل پھٹ گئی تھی نا اس لیے لائی ہوں۔" افراج نے زندگی میں پہلی بار ایسے کوئی چیز خریدی تھی اس لیے اس کی خوشی دیدنی تھی۔

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ ہم تمہارا خیال نہیں رکھتے نہ ضرورت کی کوئی چیز لا کر دیتے ہیں۔" بازلہ بھابھی کے تیور بہت جارحانہ تھے۔ وہ منمنا کر رہ گئی حالانکہ وقاص بھائی پاس بیٹھے ٹی وی دیکھ رہے تھے۔ عادلہ بھابھی بھی لفظی گولہ باری کی اس جنگ میں کود گئیں۔ افراج اپنے اندر اور بھی سمٹ سکڑ کر بیٹھی۔ جواب دینا، صفائی پیش کرنا، کسی کو جھٹلانا اسے آتا ہی نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

اس سے اگلی صبح افراج نے ڈرتے ڈرتے دونوں بھائیوں سے اسکول میں جاب کی اجازت مانگی۔ اسے اس وقت شدید حیرت ہوئی جب با آسانی اجازت مل گئی ورنہ وہ سوچ رہی تھی کہ بھائی کبھی اسے جاب کے لیے گھر سے نکلنے نہیں دیں گے۔ وہ کوئی ایسے گئے گزرے نہیں تھے جو اس کا بوجھ اور خرچہ اٹھا سکتے۔ اچھے خاصے کماتے تھے، خوش حال خاندان میں ان کا شمار تھا لیکن اماں ابا کے بعد بہن کے معاملے میں ان کا دل اور ظرف دونوں ہی سکڑ گئے تھے۔

افراج ایک پرائیویٹ اسکول میں سیکنڈری کلاسز کو پڑھا رہی تھی۔ یہ ایک اعلا درجے کا معیاری انگلش میڈیم اسکول تھا۔ اس کی قابلیت کی بنا پہ اچھی تنخواہ ملتی تھی۔ افراج نے اکنامکس میں فرسٹ ڈویژن میں ماسٹرز کیا تھا۔ اپنی ساتھی ٹیچرز میں وہ ممتاز تھی۔

ابا نے اپنی زندگی میں ہی اسے پانچ وقت کا نمازی اور مذہب سے وابستگی رکھنے والی بنا دیا تھا۔ وہ فجر میں اٹھ جاتی۔ نماز کے بعد ایک تسبیح درود شریف کی پڑھتی اور ناشتے کے لیے باورچی خانے کا رخ کرتی۔ جہاں عادلہ اور بازلہ بھابھی اپنے اپنے شوہروں کا ناشتا بنا رہی ہوتیں۔ اسے کبھی کسی نے چائے کے ایک کپ کا بھی نہ پوچھا۔ وہ سکون سے ان کے فارغ ہونے کا انتظار کرتی اور رات کے بچے سالن اور چپاتی کے ساتھ ناشتا کرکے اسکول کے لیے سدھارتی۔ اکثر رات کا بچا ہوا سالن بھی اس کے نصیب میں نہ ہوتا۔ برتن صاف کرنے کے بہانے کچرے میں چلا جاتا۔

دوپہر دو ڈھائی بجے وہ اسکول سے گھر آتی تو خود ہی اپنی روٹی بناتی۔ باقی سب کھا پی کے اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے ہوتے۔ سالن بچ جاتا تو ٹھیک ورنہ جلدی جلدی بھوک میں وہ ٹماٹر پیاز باریک باریک کاٹ کر ان میں ایک انڈہ ڈال کر فٹافٹ سالن بنا لیتی۔ اس کے بعد کچن صاف کرنے برتن دھونے کا مرحلہ آتا۔ وہ اس کے بعد سیدھی اپنے کمرے کا رخ کرتی۔

گھنٹہ دو گھنٹہ آرام کے بعد وہ پھر باورچی خانے میں آتی۔ سب کے لیے چائے بنانے کی ذمہ داری اس نے از خود اپنے سر لی ہوئی تھی۔ پھر رات کے کھانے کے لیے وہ تازہ آٹا بھی گوندھ دیتی اور کئی ایک کام بھی نمٹا دیتی۔

اسی معمول کے مطابق دن رات مخصوص رفتار سے گزر رہے تھے۔ وہ آنے والے جون میں پورے تئیس سال کی ہونے والی تھی۔ جاب شروع کیے ہوئے بھی اسے پانچ سال پورے ہو گئے تھے۔ بازلہ اور عادلہ بھابھی نے کئی رشتے کرانے والیوں کو اپنی اسکول میں پڑھانے والی نند کے رشتے کا بولا ہوا تھا۔ اکثر رشتے بتانے میں ہی اتنے نامناسب اور بے جوڑ لگتے کہ جھٹ انکار ہو جاتا۔ کم سے کم اس معاملے میں دونوں بھابھیوں نے اس کے ساتھ نیکی کی تھی کہ اپنے سر سے بوجھ اتارنے کے لیے اسے کسی ایسے ویسے کے سر منڈھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☼ ☼ ☼

دھوپ دیواروں سے ڈھل رہی تھی۔ اودھ کھلی

کھڑکی سے افراح نے باہر جھانکا۔ پاؤں میں چپل پہنتی وہ باورچی خانے میں چلی آئی۔ موسم ویسے کا ویسا ہی تھا۔ البتہ دھوپ کی تمازت میں خاصی حد تک کمی آگئی تھی۔ اس نے چائے کا پانی چڑھایا۔ بازلہ بھابھی نے باورچی خانے میں جھانکا۔ باورچی خانے میں چائے بناتی افراح کو دیکھ کر انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور آگے بڑھ گئیں۔ افراح نے چائے بنا کر اپنے لیے ایک کپ نکالا اور چیزیں سمیٹنے لگی۔ اتنے میں عادلہ بھابھی آئیں۔ انہوں نے دو کپوں میں اپنے اور بازلہ کے لیے چائے نکالی۔ انہوں نے چھوٹے بیٹے سے چائے کے ساتھ کھانے کے لیے چیزیں منگوائی تھیں۔ وہ چائے لے کر پھر سے کمرے میں چلی گئی تھیں۔

افراح نے کام کرتے ہوئے اپنی چائے ختم کی۔ ساتھ اس نے آٹا گوندھنے کا کام بھی کرلیا۔ اتنے میں چائے کے برتن پھر سے دھونے کے لیے جمع ہوگئے تھے۔ وہ دھو کر باہر نکلی ہی تھی کہ وقاص بھائی کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا۔ بچے بھاگ کر گیٹ کی طرف جارہے تھے۔ کبھی ابا کے آفس سے گھر آنے پہ وہ بھی ایسے ہی خوش ہو ہو کر گیٹ کی طرف جایا کرتی تھی۔ ابا کے ہاتھ میں کھانے پینے کی جو چیز بھی ہوتی، وہ افراح کے ہاتھ میں تھماتے۔ وہ لے جاکر کچن کے شیلف پہ رکھ دیتی۔ پھر بازلہ یا عادلہ بھابھی میں سے کوئی بھی چائے بنا کر اس کے ساتھ رکھ کر لے آتیں۔ تب وہ سب شام کی چائے کھلے آسمان تلے بیٹھ کر صحن میں پیا کرتے تھے۔ وقاص اور عدنان بھائی بھی ابا کے ساتھ شریک ہوتے۔ اب تو وہ سب قصہ پارینہ تھا۔ وقاص بھائی ہنستے مسکراتے بچوں کی معیت میں اندر آرہے تھے، ہلکی سی مسکراہٹ افراح کے لبوں پہ جھلکی ورنہ وہ تو جیسے ہنسنا ہی بھول گئی تھی۔

مغرب کی نماز اس نے بہت سکون کے ساتھ ادا کی۔ عصر اور مغرب کا درمیانہ وقت اسے بے پناہ پسند تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ لان میں چلی آتی۔ شمالی دیوار کے ساتھ لگائے گئے تمام پودے اماں کے ہاتھ کے تھے، کین کی کرسی پہ بیٹھے بیٹھے وہ بہت پیچھے پہنچ جاتی تھی۔ مغرب کی اذان کے ساتھ وہ اٹھ کر وضو کرتی۔ نماز کے بعد اگر اسکول کا کوئی کام، جو وہ اکثر گھر لے آتی ہوتا تو کرتی۔ ورنہ چپ چاپ پڑی رہتی۔ وقاص کے بعد عدنان بھی گھر آجاتا تو رونق سی لگ جاتی۔ خاموش باورچی خانے میں آوازوں کا شور جمع ہوجاتا۔ بازلہ اور عادلہ دونوں اپنے اپنے شوہروں کے لیے ان کی پسند کے کھانے پکاتیں۔ وہ سب ایک ساتھ بیٹھ کر کھاتے۔ کبھی کسی نے اس کا نہیں پوچھا، اس کی غیر حاضری محسوس کی۔ اماں ابا کے بعد اس نے اکیلے ہی کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے ساتھ ساتھ اس نے بہت سے آنسو بھی کتنی بار اپنے اندر اتارے تھے۔

اپنے اندر کی خاموشی سے گھبرا کر وہ ٹی وی لاؤنج میں چلی جاتی۔ جہاں بھائی، بھابھیاں بچے ٹی وی دیکھ رہے ہوتے، ساتھ باتوں کا دور چل رہا ہوتا۔ وہ حتی الامکان خاموشی سے آکر بیٹھا کرتی تھی کیونکہ اسے سخت شرمندگی ہوتی جب اسے دیکھتے ہی سب خاموش ہوجاتے۔ وقاص بھائی اپنے موبائل کے ساتھ لگ جاتے، عدنان بھائی تو وہاں سے چلے ہی جاتے۔ باقی بھابھیاں اور بچے بھی اسے نظر انداز کرتے تھے۔ تب سناٹے بہت دور تک اسے اپنی لپیٹ میں لے لیتے۔ ان میں اجنبی تھی مس فٹ۔ وہ سب ایک فیملی کا حصہ تھے۔ جب کہ اماں، ابا کے بعد اس کی فیملی اس خاندان تو جیسے ختم ہی ہوگیا تھا۔ وہ اس فیملی میں واحد اجنبی تھی۔

پورے سال میں دو دن ایسے آتے جب وہ حقیقی معنوں میں خوش ہوتی۔ یہ دو دن عید کے تھے، عرف عام میں چھوٹی اور بڑی عید۔ تب وقاص بھائی اور عدنان بھائی کو یاد آتا کہ ان کی ایک چھوٹی بہن بھی ہے۔ دونوں اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے اور ہزار ہزار عیدی دیتے۔ اس دن دونوں بھابھیوں کے چہروں پہ بھی مسکراہٹ ہوتی۔ عید کا دن خوشی کا دن، لیکن اس دن افراح روتی، لیکن یہ خوشی کے آنسو ہوتے۔ پورے سال میں دو بار اس کے بھائی اس کی خیریت دریافت کرتے اس کے سر پہ ہاتھ پھیرتے۔ تب دستر

خوان پہ وہ ان کے ساتھ کھانا کھاتی۔ مارے خوشی کے حلق میں نوالے ہی اٹکنے لگتے۔

وہ اکثر دعا کرتی کہ کاش پورا سال ہی عید رہے۔ پھر اپنی اس بچکانہ دعا پہ اسے خود ہی ہنسی آتی۔ ان دو دنوں کا انتظار وہ پورا سال کرتی۔ یہ دو دن اس کے لیے واقعی عید تھے۔ اس کے بعد پھر ان سب کے اور افراح کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت کی چادر تن جاتی۔

ٹی وی لاؤنج سے آتی آوازیں بتارہی تھیں کہ کھانا کھایا جاچکا ہے۔ اطمینان کرلینے کے بعد اس نے باورچی خانے کا رخ کیا۔ ہاٹ پاٹ میں دو روٹیاں بچی ہوئی تھیں۔ رات کی روٹی باہر سے آتی تھی۔ سالن گھر میں بنتا تھا۔ افراح نے ذرا سا سالن کٹوری میں نکال کر ایک روٹی ہاٹ پاٹ سے نکالی۔ اس کی بھوک اتنی ہی تھی۔ ایک روٹی سے اوپر کھانا اس کے لیے محال تھا۔ کھانے میں قورمہ اور چکن کڑاہی تھی۔ اس نے ذرا سا قورمے کا شوربا نکالا۔ بھوک اتنی خاص نہیں تھی۔ کھانے کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر اس نے تسبیح لے کر چھت کا رخ کیا۔

ایک سے دوسرے کونے کا چکر اس نے تسبیح پڑھتے ہوئے طے کرنے شروع کیے۔ چلتے چلتے اسے نیند آنا شروع ہوگئی تھی۔ چنانچہ اس نے سیڑھیاں اتر کر کمرے کا رخ کیا۔ پنکھا فل اسپیڈ پہ چلاتے ہوئے اس نے کھڑکی کھول دی۔ آج سخت نیند آرہی تھی اس لیے اس نے مطالعے سے احتراز ہی برتا۔

خنک زدہ موسم میں وہ گہری نیند سوچکی تھی۔ جبکہ گھر کے دوسرے مکین اے سی کے فل کولنگ والے کمروں میں بھی کروٹیں بدل رہے تھے۔

افراح تو جیسے صبر و رضا کے گھنیرے بادلوں تلے سوتی تھی۔ پرسکون اور گہری نیند۔

☼ ☼ ☼

عاشر کو اپنی سماعتوں پہ شک ہورہا تھا۔

"جاوید بھائی! پھر سے کہیے گا میری سمجھ میں نہیں آئی آپ کی بات۔"

"تمہارے ویزے کا بندوبست ہوگیا ہے۔ تم اب جانے کی تیاری پکڑو، لیکن اس سے پہلے میرا منہ تو میٹھا کراؤ۔"

استاد جاوید نے اسے گلے لگالیا تھا۔ وہ شروع میں جب کام سیکھنے ان کے پاس آیا تو دوسروں کی دیکھا دیکھی اس نے بھی انہیں استاد جاوید کہہ کر پکارنا چاہا، لیکن اس کم عمری میں بھی عاشر کے چہرے پہ ایسا وقار اور متانت تھی کہ استاد جاوید نے اسے خود کو استاد جاوید کہنے سے روک دیا تھا۔ دوسروں کے استاد جاوید اس کے لیے جاوید بھائی تھے۔ وہ دل سے اس کی قدر کرتے تھے۔ اس کے گھرانے کے مصائب و آلام ان سے ڈھکے چھپے نہیں تھے۔ تب ہی تو انہوں نے مڈل ایسٹ میں اپنے ایک دوست کو بطور خاص عاشر کے لیے کوئی کام ڈھونڈنے کے لیے بولا ہوا تھا۔ یہ دوست ملٹی نیشنل کمپنی میں جاب کرتا تھا۔ یہ کمپنی گاڑیوں کی تھی۔ کمپنی میں نئی آسامیاں نکلی تھیں۔ استاد جاوید کے اس دوست نے عاشر کے لیے سروس ایڈوائزر کا ویزہ لیا تھا۔

عاشر کے ساتھ استاد جاوید کی ورکشاپ کا ہی ایک اور لڑکا بھی جارہا تھا۔ بیٹھے بٹھائے ہی عاشر کی ایک مشکل حل ہوگئی تھی، لیکن ویزے، پاسپورٹ اور ٹکٹ کے لیے پیسے کی ضرورت تھی۔ استاد جاوید کے دوست نے ان کی زبانی عاشر کے حالات جان کر ویزے کے پیسوں کی ادائیگی کے لیے مہلت دے دی تھی۔ عاشر باہر جاکر کام کرکے ان کا ادھار چکادیتا۔ پاسپورٹ استاد جاوید نے اسے ساتھ لے جاکر بنوا کر دیا تھا جبکہ ٹکٹ کے پیسے بھی انہوں نے اس کے نہ نہ کرنے کے باوجود "تحفتاً" دیے تھے۔ باقی چھوٹی موٹی چیزوں کی خریداری عاشر نے خود کی تھی۔

آنکھوں میں ڈھیروں خواب سجائے وہ مڈل ایسٹ آیا تھا۔ جانے سے پہلے کافی رشتہ دار ملنے آئے، لیکن رافعہ خالہ کے گھر سے کوئی بھی نہیں آیا تھا۔ انہوں نے خود ہی رشتہ توڑ کر ملنا جلنا ختم کیا تھا، ورنہ عالیہ اور امین نے صبر کرلیا تھا۔ انہوں نے زبان سے کسی رشتہ

وار کے سامنے ایک لفظ بھی نہ نکلا تھا۔ عاشر کے باہر جانے کی خبر کسی طرح بھی چھپی نہیں رہ سکتی تھی۔ تب رافعہ نے عاشر کے جانے کے بعد عالیہ کو فون کیا۔ یہ عام سی بات چیت تھی۔ رافعہ کے لہجے میں شرمندگی یا ندامت نہیں تھی۔ عالیہ کے دل میں بھی کوئی بات نہ تھی بس ایک دکھ تھا جو اپنی جگہ تھا۔

☆ ☆ ☆

اس ملٹی نیشنل کمپنی کے ساتھ عاشر کے بہت سے خواب جڑے تھے۔ وہ اپنے خوابوں کو تعبیر دینے کا عزم لے کر یہاں آیا تھا۔ بہت جلد اپنی محنت اور ایمان داری سے اس نے کمپنی میں جگہ بنالی۔ پاکستان کے مقابلے میں یہاں جدید انداز میں کام ہو رہا تھا۔ عاشر پڑھا لکھا تھا اس نے گریجویشن کے ساتھ لینگویج کورس بھی کیا تھا اس لیے اسے بات چیت میں مشکل نہیں ہوئی لیکن عربی سے وہ نابلد تھا۔ یہاں آکر اس نے عربی سیکھنے پہ توجہ دی۔ کچھ ماہ میں ہی وہ عرب گاہکوں کے ساتھ ٹوٹی پھوٹی عربی بولنے لگا۔

عاشر نے ادھار چکا دیا تھا۔ وہ گھر پیسے بھیجنا شروع کرچکا تھا۔ امین صاحب نے نوکری چھوڑ دی تھی اور ایک نسبتاً بہتر علاقے میں تین کمروں کے ایک اور گھر میں کرائے پہ اٹھ آئے تھے۔ عالیہ نے اب عاشر کی شادی کے خواب دیکھنے شروع کردیے تھے۔ عاشر پائی پائی جوڑ رہا تھا۔ جتنے لوگ لڑکے جو کمپنی میں اس کے ساتھ کام کرتے 'رات کا کھانا ہوٹل میں کھاتے' لیکن وہ یہاں بھی کنجوسی دکھا جاتا 'معذرت کرلیتا۔ وہ یہاں کمانے کے لیے آیا تھا اڑانے کے لیے نہیں۔ اس لیے وہ گھنٹے کا اوور ٹائم بھی روز لگاتا۔ اس اوور ٹائم کے اضافی پیسے اسے ملتے تھے۔ مہینے کی تنخواہ اور اوور ٹائم کے پیسے ملا کر اس کے پاس ہینڈسم اماؤنٹ آجاتی تھی۔ امی ابو کو پاکستان بھیجنے کے بعد باقی وہ بینک میں جمع کروا دیتا۔ عالیہ کفایت شعار خاتون تھیں اس کے بھیجے گئے پیسے کو کفایت سے خرچ کرتیں۔ یوں عاشر کو اچھی خاصی بچت ہو رہی تھی۔ وہ اپنے ذاتی گھر کو حاصل کرنے کے لیے جان توڑ محنت کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

چھٹی کا دن تھا۔ افراح نے اپنے کمرے کی تفصیلی صفائی اور جھاڑ پونچھ کی تھی۔ کمرے کے بعد لان کی باری آئی۔ کام سے فارغ ہو کر وہ نہانے چلی گئی۔ نہا کر بال سلجھائے بغیر لیٹ گئی تھی۔ ابھی شیشے کے سامنے کھڑے ہو کر بالوں میں برش کر رہی تھی۔

کتنے ماہ بعد اس نے خود کو غور سے آئینے میں دیکھا تھا۔ آنکھیں کاجل سے خالی کان بالیوں سے محروم تو لب سرخی سے دور۔

کیسا سادہ اور خالی سا چہرا تھا بغیر کسی آرائش کے۔ وہ بالوں میں برش پھیر کر ان کی لمبائی چیک کر رہی تھی۔ اس کی ساتھی ٹیچرز نت نئے فیشن کے کپڑوں میں ملبوس تیار ہو کر اسکول آتیں جبکہ افراح کی سادگی پورے اسکول میں ضرب المثل تھی۔ اس کی کلائی میں کسی نے کانچ کی چوڑی تک نہ دیکھی تھی۔ وہی افراح اپنے بال دیکھ رہی تھی۔ کمر سے نیچے جاتے گھنے براؤن بال سیدھی مانگ بالکل کسی سیدھی سپاٹ رہ گزر کی مانند۔

صاف ستھری جلد 'ترشے ہوئے چھوٹے چھوٹے ناخن' سانچے میں ڈھلا سراپا۔ اسے اپنا آپ کبھی اتنا خاص اور اہم نہیں لگا تھا۔ ہاں ابا اسے میری پیاری بیٹی کہتے تھکتے نہ تھے۔

ابا کی یاد آتے ہی اس کے لبوں پہ مسکراہٹ آگئی۔ بال سمیٹ کر اس نے چٹیا بنائی اور سرے پہ ربڑ بینڈ لگا دیا۔ اس کی یونیورسٹی فیلوز اکثر اس کے لمبے بالوں کی تعریف کرتی تھیں اب اس نے ان کا بھی خیال رکھنا چھوڑ دیا تھا۔

عادلہ بھابھی نئے سرے سے اس کے لیے رشتہ ڈھونڈنے کی تگ و دو کر رہی تھیں۔ اب جو بھی اس کا امیدوار بن کر آتا 'عمر رسیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ طلاق یافتہ' رنڈوا یا ایک دو بچوں کا باپ لازمی ہوتا۔ رشتے والی ماسی منہ در منہ یہ سنا کے جاتی۔

http://readingcornerpk.blogspot.com/
READING CORNER

"اپنی نند کو بھی تو دیکھو اس میں آج کل والی لڑکیوں جیسی کوئی بات ہی نہیں ہے۔ اتنی سی عمر میں خود پہ صدیوں کا بڑھاپا طاری کر کے بیٹھی ہے۔ نہ کوئی فیشن نہ ٹیک نہ ملک نہ ادا نہ نخرا۔"

اب ان دونوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ افراح ایسی کیوں ہے۔ انہیں لگتا جیسے افراح کا کوئی جوڑ بنا ہی نہیں ہے' وہ اکیلی آئی ہے اور اکیلی ہی جائے گی۔

☼ ☼ ☼

ماہ نور کی یونیورسٹی فیلو ثمامہ جو ماسٹرز کرنے کے بعد اپنے سسرال کو پیاری ہو گئی تھی وہ اس کے لیے اپنے بھائی کا رشتہ لائی تھی۔ ثمامہ اس وقت سے ماہ نور میں دلچسپی لے رہی تھی جب وہ نئی نئی یونیورسٹی میں آئی تھی۔ اس کے کچھ اپنے گھریلو مسائل تھے۔ پھر اس کی شادی ہو گئی۔ اب جبکہ ماہ نور تعلیم سے فارغ ہو کر اپنے نت نئے شوق پورے کر رہی تھی۔ ثمامہ اپنے بھائی کا رشتہ لے کر آ دھمکی۔ ماہ نور کے اس وقت سے اچھے اچھے رشتے آ رہے تھے جب وہ نئے نئے اس علاقے میں شفٹ ہوئے تھے' لیکن تب وہ عاشر سے منسوب تھی۔ کئی ایک رشتے تو اتنے اچھے تھے کہ طارق اور رافعہ کو بے انتہا دکھ ہوا تھا کہ کاش اس کا رشتہ شروع سے ہی عاشر سے طے نہ ہو چکا ہوتا تو وہ ان میں سے کسی ایک کو آنکھ بند کر کے ہاں کر دیتے۔

بعد میں خود ہی ماہ نور کی سوچ بدلی اور اب تو عاشر والا باب بند ہو چکا تھا۔ اس لیے ثمامہ جب اپنے بھائی عمر کا رشتہ لائی تو اسے خوشی سے ویلکم کہا گیا۔

ماہ نور ایک بار ثمامہ کے گھر اس کی سالگرہ کی تقریب میں گئی تھی۔ سالگرہ کی تقریب کسی چھوٹی موٹی شادی کی تقریب سے کم نہیں تھی۔ ماہ نور متاثر ہو گئی تھی۔ ثمامہ ایک سے ایک مہنگا سوٹ پہن کر یونیورسٹی آتی تھی۔ وہ ڈرائیور کے ساتھ آتی تھی۔ ڈرائیور کو آنے میں ذرا سی بھی دیر ہوتی تو وہ اس پہ برستی۔ وہ اونچے گھر کی بگڑی بچی تھی پر ماہ نور کو اچھی لگتی کیوں کہ اس میں اسٹائل تھا اس کے پاس پیسہ تھا غرور تھا جو اکثر پیسے والوں کی پہچان تھا۔ وہی ثمامہ اس کے گھر آئی تھی۔

ثمامہ نے اپنی شادی میں اسے بھی انوائٹ کیا تھا۔ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے ماہ نور شرکت نہ کر سکی تھی' لیکن باقی کلاس فیلوز نے اس کے شوہر اور شادی کا آنکھوں دیکھا جو حال بیان کیا تھا اس نے ماہ نور کو متاثر کر دیا تھا۔ وہ ایک کاروباری خاندان میں بیاہ کر گئی تھی۔ شادی کے بعد ثمامہ میں اور بھی نخرہ اور نزاکت آ گئی تھی۔ وہ سر اونچا کیے بیٹھی تھی۔ ماہ نور اور رافعہ دل میں اس سے مرعوب ہو رہی تھیں۔ ثمامہ اپنے خاندان اور بھائی کے بارے میں بتا رہی تھی۔

"عمر بھائی کا اسلام آباد میں اپنا بزنس ہے۔ میں اور مما کب سے بھائی کے لیے لڑکی ڈھونڈ رہے تھے' لیکن بچہ بغل میں اور ڈھنڈورا شہر میں۔ ماہ نور مجھے بھول ہی گئی تھی۔ میں نے سوچا تو یاد آیا کہ گوہر مقصود ہم سے دور نہیں۔ ماہ نور شروع سے ہی مجھے پسند ہے۔ اب اگلی بار پوری فیملی کے ساتھ آؤں گی۔" ثمامہ بڑے آرام سے آئندہ کے پروگرام بتا رہی تھی۔ ماہ نور کو وہاں مزید بیٹھنا مناسب نہیں لگا۔ رافعہ نے طارق صاحب اور دونوں بیٹوں کو فون کر دیا تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں گھر پہنچ رہے تھے۔ ثمامہ کی آمد نے گھر بھر میں ہلچل دوڑا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

عاشر کو ملک سے گئے ڈیڑھ سال ہو چکا تھا۔ عالیہ کو اس کی شادی کی فکر ستانے لگی۔ ان کی عاشر سے فون پہ بات ہوئی تو انہوں نے دلی خواہش بتا دی۔ وہ اس کے لیے لڑکی دیکھنا چاہ رہی تھیں۔ وہ ہنس دیا تھا' یہ ہنسی کسی خوشی اور جذبے سے خالی تھی' مردہ خالی ہنسی۔

"مجھے تمہاری شادی کرنی ہے کاکا۔" عالیہ لاڈ میں اسے کاکا پکارتی تھیں۔

"شادی۔" وہ خالی خالی لہجے میں بولا۔ شادی کے لفظ پہ اس کے اندر جیسے اندھیرے اتر آئے تھے۔ مہیب خلا اور تاریکی۔ روشنی کا نام و نشان تک نہیں۔

"ہاں شادی۔ مجھے اپنے لیے بہو اور تمہارے لیے دولہن چاہیے۔ میرا گھر تمہارے جانے کے بعد خالی خالی ہے۔ اب تمہاری شادی ہو جانی چاہیے' کیونکہ ماہ نور کی بھی منگنی ہو چکی ہے۔ سنا ہے رافعہ اور طارق بھائی بہت جلد اس کی شادی کرنے والے ہیں۔" عالیہ بہت ٹھنڈے لہجے میں بتا رہی تھیں۔ عاشر نے ٹھنڈی سانس لی۔ ماہ نور کی منگنی ہو چکی تھی وہ عاشر کی بھی منگیتر رہ چکی تھی۔ عالیہ دل گرفتہ تھیں انہیں دکھ بھی ہوا تھا۔ وہ رافعہ کے بلاوے پہ نہ چاہتے ہوئے بھی منگنی میں شرکت کے لیے گئی تھیں اور تحفے میں ماہ نور کو پیسے اور قیمتی جوڑا بھی دیا تھا' لیکن خوشی کی اس محفل میں وہ بجھی بجھی ہی رہیں۔ دولہن بنی ماہ نور بہت خوش نظر آ رہی تھی۔ ایسی خوشی تو عاشر سے منسوب ہونے کے بعد بھی عالیہ نے اس کے چہرے پہ نہیں دیکھی تھی۔

عالیہ کسی معجزے کی آس میں تھیں۔ دولہن بنی ماہ نور نے بے معنی سے دیے اور آس کے جگنو ایک ایک کر کے بجھا دیے تھے۔ عاشر نے ان سے کبھی بھی خالہ' ماہ نور یا ان کے گھر والوں کے بارے میں خود سے کچھ نہیں پوچھا تھا' ابھی بھی وہ خود ہی بتا رہی تھیں۔

"میں نے سلامی میں پانچ ہزار کا لفافہ اور ایک قیمتی سوٹ دیا۔ یقین ماہ نور رافعہ حیران ہو گئی تھی کہ میں بھی اتنے پیسے اور ایسا سوٹ دے سکتی ہوں۔" اس بار عالیہ کے انداز میں خوشی تھی۔ نہ چاہتے ہوئے بھی عاشر مسکرا دیا۔

"امی آپ بس دعا کیا کریں میرے لیے۔"

"اللہ تیری ہر مراد پوری کرے عاشر۔" عالیہ نے پورے خلوص سے دعا دی تھی۔

☼ ☼ ☼

عمر کے ساتھ ماہ نور کی منگنی دھوم دھام سے ہو چکی تھی۔ ثمامہ' عمر اور ان کی فیملی شادی کے لیے بار بار زور ڈال رہی تھی۔ اس سے پہلے انہوں نے منگنی کے لیے بھی ایسا ہی شور مچایا تھا۔ بمشکل سے وہ لوگ تین بار ان کے گھر آئے تھے اور رشتہ پکا کرنے کی رٹ لگا دی تھی۔ بظاہر عمر یا اس کے خاندان میں کوئی خرابی نہ تھی۔ اچھے کھاتے پیتے خوش حال لوگ تھے۔ عمر کا اسلام آباد میں اپنا بزنس تھا۔ وہ پڑھا لکھا اور دیکھنے میں مہذب تھا۔ پھر وہ پیسے میں بھی طارق صاحب کے ہم پلہ تھے۔ ماہ نور نہیں چاہتی تھی کہ ابو اور بھائی عمر کے رشتے سے انکار کریں کیوں کہ عمر کے ساتھ شادی کی صورت میں اس کا مستقبل محفوظ اور شان دار تھا۔ عمر اسلام آباد میں ہی مقیم تھا کیوں کہ اس نے اپنا کاروبار وہیں سیٹ کر رکھا تھا جبکہ اس کے ماں باپ اور دیگر گھر والے لاہور میں مقیم تھے۔

ماہ نور اکلوتی اور لاڈلی بیٹی تھی۔ رافعہ اور طارق کی بھی یہی مرضی تھی کہ ماہ نور شادی کے بعد ساس سسر سے دور الگ گھر میں رہے۔ عمر کے ساتھ شادی کی صورت میں ان کی دیرینہ خواہش با آسانی پوری ہو سکتی تھی۔ اس لیے عمر کے گھر والوں کو اثبات میں جواب دیتے ہوئے انہیں مشکل پیش نہیں آئی تھی۔

عالیہ نے خلوص سے ماہ نور کو سکھی رہنے کی دعا دی تھی۔ کیا ہوا جو وہ ان کے عاشر کے نصیب میں نہ تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بتاؤں عالیہ بہن! آپ کیسی ہیرا صفت لڑکی ہے۔ بہت اچھے خاندان سے ہے۔ باپ کسی کالج میں پروفیسر تھا بہت پہلے مر چکا ہے۔ دو بھائی ہیں شادی شدہ ہیں اور اپنا اپنا کاروبار کر رہے ہیں۔ ماں کا بھی انتقال ہو چکا ہے۔ لڑکی خود اسکول میں وقت گزاری کے لیے پڑھاتی ہے۔" بوا رحمت لڑکی کی خوبیاں گنوا رہی تھیں۔ عالیہ نے ہی بوا رحمت سے عاشر کے لیے رشتہ تلاش کرنے کے لیے کہا تھا۔ بوا رحمت ان کے پرانے محلے میں ان کی پڑوسی تھیں۔ وہ تاحال وہیں مقیم تھیں۔ وہ ان کے حالات سے بخوبی واقف تھیں۔ اس لیے انہوں نے خوب چھان بین کر کے عالیہ کے بیٹے کے لیے لڑکی کا انتخاب کیا تھا۔

"بوا! کیا لڑکی دونوں بھائیوں سے چھوٹی ہے؟" عالیہ نے سوال کیا۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

"ہاں چھوٹی ہے۔" بوا نے اثبات میں جواب دیا۔
"پھر ابھی تک اس کی شادی کیوں نہیں ہوئی ہے؟" عالیہ نے عام سے لہجے میں استفسار کیا۔
"ماں باپ مرچکے ہیں۔ دو بھائی ہیں۔ لڑکی کے رشتے تو بہت آئے ہیں، مگر کوئی ان کے معیار کا نہیں ہے۔" بوا رحمت نے عادلہ اور بازلہ سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں جواب دیا۔
"تو کیا عاشر انہیں پسند آجائے گا؟" عالیہ کے لہجے میں دھڑکا تھا۔
"کیوں نہیں پسند آئے گا۔" بوا کو عالیہ کا سوال اچھا نہیں لگا تھا۔
"ہمارا تو گھر بھی فی الحال کرائے کا ہے۔ عاشر اپنے گھر کے لیے پیسے جمع کر رہا ہے۔ ہمارا ارادہ بہت جلد ہی اپنا گھر لینے کا ہے۔ آپ لڑکی کے بھائیوں کو ہمارے بارے میں سب کچھ بتا دینا، ایسا نہ ہو ہم کوئی بات چھپائیں تو کل کو انہیں ناگواری ہو۔"
"عالیہ بہن آپ بے فکر رہو۔ میں نے آج تک جتنے بھی رشتے کروائے ہیں کسی بھی پارٹی کے ساتھ بے ایمانی نہیں کی ہے۔ میرے طے کروائے ہوئے سب رشتے اپنے اپنے گھروں میں خوش و خرم آباد ہیں۔ جو بھی سچ ہوتا ہے میں جوں کا توں بتا دیتی ہوں، آگے دونوں پارٹیوں کی مرضی 'ہاں' کریں یا 'ناں' اس میں میری کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔" واقعی وہ سچ کہہ رہی تھیں۔ شوہر کے مرنے کے بعد انہوں نے فی سبیل اللہ لڑکے لڑکیوں کے رشتے طے کروانے کا کام شروع کیا تھا۔ کام میں خلوص اور ایمان داری تھی اس لیے آج تک کسی کو بھی ان سے شکایت نہیں ہوئی تھی۔ عالیہ انہیں اس وقت سے جانتی تھیں جب وہ بیوہ نہیں ہوئی تھیں۔ فطرتاً" بااخلاق اور ہمدرد تھیں۔ اس لیے عاشر کے لیے لڑکی ڈھونڈنے کا کام انہوں نے بوا رحمت کے سپرد کیا تھا۔ انہیں پوری امید تھی کہ بوا انہیں مایوس نہیں کریں گی۔
"ویسے عاشر کب تک آئے گا؟"
"کہتا ہے گھر خریدنے کا انتظام کر لوں پھر آؤں گا۔"
"اس میں اندازاً" کتنا ٹائم لگ جائے گا؟" بوا نے سوال کیا۔
"عاشر سے میری بات ہوگی تو پوچھوں گی۔" عالیہ نے صاف گوئی سے جواب دیا۔ بوا سر ہلا کر رہ گئیں۔ انہیں اب لڑکی کے گھر جانا تھا۔ یہاں سے لڑکی کا گھر بہت دور تھا۔

☼ ☼ ☼

اوورسیز پاکستانیوں کے لیے ایک رہائشی اسکیم میں عاشر نے قسطوں پہ گھر بک کروایا تھا۔ یہ کام اس نے یہاں آنے کے کچھ عرصے بعد ہی شروع کیا تھا۔ اسی فیصد ادائیگی کے بعد اسے گھر کا قبضہ مل جانا تھا۔ جبکہ ساٹھ فیصد ادائیگی اس نے کردی تھی۔ بقایا چالیس فیصد ادائیگی اس نے یکمشت کرنے کے بعد گھر کا مالک بن جانا تھا۔ یہ کام اس نے عالیہ اور امین کے علم میں لائے بغیر کیا تھا۔
چالیس فیصد ادائیگی کے بعد اس نے امی ابو کو بتانا تھا۔ تب وہ کتنا خوش ہوتے۔ اس کا مڈل ایسٹ میں آکر پردیس کاٹنا رائیگاں نہیں گیا تھا۔ اس کے ایک دیرینہ خواب کی تکمیل ممکن ہو رہی تھی۔ بہت سال پہلے قرض اتارنے کے لیے امین صاحب نے اپنے رہنے کا ٹھکانہ اونے پونے داموں فروخت کر دیا تھا۔ تب سے ہی عاشر نے دل میں عہد کیا تھا کہ زندگی میں اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے کے بعد سب سے پہلے امی ابو کے لیے گھر بنائے گا۔ اپنے ذاتی گھر کی ملکیت سے وہ صرف چالیس فیصد ادائیگی کے فاصلے پہ تھا۔

☼ ☼ ☼

بوا رحمت عادلہ اور بازلہ کے پاس بیٹھی تھیں۔ وہ اپنے ساتھ عاشر کی فوٹو بھی لائی تھیں۔ دونوں اس وقت وہی دیکھ رہی تھیں۔ بوا نے عاشر کی شان میں زمین آسمان کے قلابے ملائے تھے۔ تصویر دیکھ کر دونوں مطمئن تھیں۔
وہ دونوں بوا سے عاشر کے بارے میں سوال جواب کر رہی تھیں۔ وہ فی الحال نارمل تھیں۔ بوا کے جانے

کے بعد عادلہ نے ایک بار پھر عاشر کی فوٹو غور سے دیکھی۔
"لڑکا دیکھنے میں شریف اور مہذب لگ رہا ہے۔" بازلہ نے اس کے ہاتھ میں تھامی گئی فوٹو پہ تبصرہ کیا۔
"دعا کرو یہ لوگ اچھے ہوں۔ افراح کا گھر بس جائے تو ہمیں بھی سکون ہوگا۔" بازلہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔
"ہاں یار! مجھے بھی افراح کی شادی کی بہت فکر ہے۔ افراح کی شادی ہو جائے تو اسٹور روم اور افراح کا کمرا تڑوا کر میں وہاں گیسٹ روم بنواؤں گی۔" عادلہ نے ارادہ ظاہر کیا۔
"ہاں افراح کے ہوتے ہوئے تو جیسے کوئی پرائیویسی ہی نہیں ہے۔" بازلہ نے ناک بھوں چڑھائی۔

☼ ☼ ☼

سر پر دوپٹہ اوڑھے ہلکے رنگ کے کپڑوں میں ملبوس لڑکی کی آنکھیں گہری اداسی کی دھند میں لپٹی ہوئی تھیں۔ عالیہ اور طارق صاحب پہلی بار افراح کے گھر اسے دیکھنے آئے تھے۔ اور واقعی چائے کی ٹرالی لاتی افراح کو عالیہ دیکھتی رہ گئی تھیں۔ اداسی اس کے پورے وجود سے جھانک رہی تھی۔ اس نے آہستہ آواز میں انہیں سلام کیا تھا۔ عالیہ نے اسے اپنے پاس ہی بٹھا لیا تھا۔ اس کے ایک طرف عالیہ اور دوسری طرف امین صاحب بیٹھے تھے۔ ان کے تاثرات بتا رہے تھے کہ انہیں افراح اور اس کے گھر والے بہت پسند آئے ہیں۔
"مجھے تو لڑکے کے ماں باپ بہت پسند آئے ہیں۔" عادلہ اپنے کسی بھی جذبے کا اظہار کرنے میں بخل سے کام نہیں لیتی تھی۔
"لڑکے کی ماں بہت باوقار اور کم گو ہے۔" یہ تبصرہ بازلہ کا تھا۔
"ہاں اچھے اور شریف لوگ ہیں۔" عدنان نے بھی بولنے کی ابتدا کر کے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔
"میں چھان بین کرواتا ہوں۔" وقاص متانت سے گویا ہوا۔
"پہلی بار افراح کے لیے کوئی ڈھنگ کا رشتہ آیا ہے۔ لڑکا بالکل مناسب عمر کا اور افراح کے جوڑ کا ہے۔" عادلہ کی بات پہ بازلہ نے اس کی طرف دیکھا جیسے خاموش تائید کر رہی ہو۔

☼ ☼ ☼

عالیہ نے لرزتے کانپتے ہاتھوں سے دروازے کو اندر کی طرف دھکیلا تھا۔ ان کے ساتھ امین صاحب بھی تھے جن کے ہاتھ میں بے یقین انداز میں گھر کے دروازوں کی چابی دبی ہوئی تھی۔ کھلے گیٹ سے دونوں اندر داخل ہوئے۔ انٹرنس بہت خوب صورت تھی۔ اندر قدم رکھتے ساتھ ہی جابجا کھلے پھول نظروں کو تراوٹ بخش رہے تھے۔ پھولوں کے گملے بڑی خوب صورتی سے پینٹ کیے گئے تھے۔ کار پورچ کے ساتھ گھر کا باہتی دروازہ تھا۔
عالیہ نے گھر کا چپہ چپہ شوق و بے یقینی کی ملی جلی کیفیت سمیت دیکھا۔ انہیں یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ یہ گھر اب ان کا ہے۔ اتنا اچھا اور خوب صورت علاقہ تھا۔ صاف ستھری کشادہ گلیاں، چوڑی سڑکیں اور درمیان میں گرین بیلٹ۔ ایسے علاقے اور گھر کا تصور تو انہوں نے صرف خواب میں ہی کیا تھا۔
عاشر نے بقایا ادائیگی کر دی تھی اب وہ اس گھر کا قانونی مالک تھا۔ کمپنی میں اس کے ساتھ کام کرنے والے جس کولیگ نے اس کے ساتھ گھر بک کروایا تھا وہ پاکستان آیا ہوا تھا۔ وہی اپنی گاڑی میں عالیہ اور امین صاحب کو ان کا گھر دکھانے لایا تھا۔ بہت خوب صورت اور کشادہ گھر تھا۔ حماد ان دونوں کے ساتھ ساتھ تھا۔ وہ بھی کچھ ہی دنوں میں اس علاقے میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ شفٹ ہو رہا تھا۔ عاشر نے اس کے ذمہ کچھ کام لگائے تھے۔ حماد اس کا اچھا دوست بن گیا تھا۔ عاشر اس پہ اعتبار کر سکتا تھا۔ اس نے فرنیچر کی خریداری کا کام اس کے سپرد کیا تھا۔
عالیہ نے افراح کے دونوں بھائیوں اور بھابھیوں

READINGCORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com

کو اس گھر میں چائے پہ بلایا تھا۔

امین نے اپنے بارے میں ہر ایک بات بتائی۔ وہ گردش دوراں کی منہ بولتی تصویر تھے۔ عاشر نے یہ گھر جس محنت اور مشکل سے خریدا تھا انہوں نے وہ جدوجہد بھی عدنان اور وقاص کو بتائی۔ وہ متاثر نظر آرہے تھے۔

افراح کے بھائیوں نے مشورہ کرنے کے بعد امین صاحب کو عاشر کے رشتے کے لیے ہاں کردی تھی۔ بہت سادگی سے بات پکی کرنے کی رسم ہوئی۔ عالیہ نے افراح کے لیے ایک سوٹ اور انگوٹھی اور مٹھائی کے ہمراہ ان کے گھر لے گئیں۔ ان کے سامنے افراح وہ سوٹ پہن کر آئی تو انہوں نے انگوٹھی اس کی مخروطی انگلی میں ڈالی۔ عادلہ اور بازلہ نے انہیں مبارک باد دی تو وہ بہت خوش ہوئیں۔ افراح اب ان کے عاشر کی امانت تھی۔ انہوں نے بات پکی کرنے کے بعد سب رشتہ داروں کے گھر مٹھائی بھجوائی۔ اکثر ناراض تھے کہ ہمیں کیوں نہیں بلایا۔ امین صاحب نے مشورہ دیا کہ گھر پہ ہی ایک سادہ سی تقریب کا اہتمام کرکے سب خاندان والوں کو مدعو کرلیتے ہیں اس بہانے سب ہمارا نیا گھر بھی دیکھ لیں گے۔ عالیہ نے نیم رضامندی دے دی۔

☼ ☼ ☼

وہ کسی خواب کی صورت اپنا سوٹ اور انگلی میں سجی انگوٹھی دیکھ رہی تھی۔ عادلہ اور بازلہ بھابھی اس کے دائیں بائیں بیٹھی تھیں۔ وہ افراح سے ہنس ہنس کر باتیں کررہی تھیں۔

بہت دیر بعد اس نے کمرے کا رخ کیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی خود کو غور سے دیکھ رہی تھی۔ وہ سادہ سے نقوش اور عام سے حلیے والی۔ کیا اسے بھی کوئی پسند کرسکتا ہے۔ پہلے وہ خود سے سوال کیا کرتی تھی' آج اسے خود کو جواب دینے کی ضرورت نہیں پڑی تھی۔ اس کی انگلی میں سجی انگوٹھی گواہی کے لیے کافی تھی۔

وہ خوش گوار حیرانی میں کھڑی تھی۔ اس کا پورا چہرہ خوشی سے منور تھا اور لمبی گھنیری پلکوں والی آنکھیں بھی تو مسرور تھیں۔ اس نے کبھی خود پہ توجہ نہیں دی تھی نہ اپنے نقوش پر غور کیا تھا۔ آج آئینے میں اپنا سراپا اسے قابل توجہ لگ رہا تھا۔ ذرا سی خوشی نے اس کے اندر انقلاب برپا کردیا تھا۔

رات کے آخری پہر وہ کھلے آسمان تلے مصلیٰ بچھائے سجدہ شکر ادا کررہی تھی۔ وہ سادہ اور عام سی لڑکی شکر گزاری کے جذبات سے لبریز تھی۔ خدا کی رحمت اس پہ امنڈ کر رہی تھی۔ عالیہ آنٹی اور امین انکل جب پہلی بار اسے دیکھنے کے لیے آئے تھے تو اسے بہت اچھے لگے تھے۔ سادہ اور بے ضرر سے بالکل اپنی طرح۔ عادلہ بھابھی نے اسے عاشر کی تصویر دی تھی۔ اس نے ڈرتے ڈرتے رات کی تنہائی میں دروازہ لاک کرکے دیکھی بھی تھی۔

جاذب نظر نقوش اور ذہانت سے چمکتی آنکھیں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ اس نے گھبرا کر تصویر ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں ڈال دی تھی۔

☼ ☼ ☼

عالیہ خود اپنی بہن رافعہ کے گھر مٹھائی لے کر آئی تھیں۔ اپنے ہاتھوں سے انہوں نے رافعہ کا منہ میٹھا کروایا۔ "اس اتوار کو تم سب میرے گھر آنا" انہوں نے خلوص سے پورے گھر والوں کو دعوت دی۔ "اتوار کو تو ہم سب نے ماہ نور کی ہونے والی سسرال کی طرف جانا ہے۔" رافعہ نے فوراً عذر پیش کیا تو عالیہ کا چمکتا چہرہ بجھ سا گیا۔ پر اگلے ہی لمحے انہوں نے خود کو سنبھال لیا۔

"چلو پھر کسی دن آجانا تم سب۔" وہ مسکرا کر گویا ہوئیں۔

"ہاں' ماہ نور کی شادی سے فارغ ہوجاؤں تو ضرور چکر لگاؤں گی۔" رافعہ نے جیسے انہیں سنایا۔

"کب ہے ماہ نور کی شادی؟"

"اس مہینے کے آخر میں ہے۔ عمر کے گھر والے پیچھا پکڑ کر بیٹھے ہوئے تھے سو ہم نے تاریخ دے دی

ہے۔" رافعہ نے بتایا۔

"لیکن مجھے تو نہیں پتا۔ نہ کسی نے بتایا" عالیہ کو دکھ ہوا۔

"ابھی کارڈ چھپنے کے لیے دیے ہوئے ہیں' سب کو خبر ہوجائی ہے۔" رافعہ نے جیسے ناک پر سے مکھی اڑائی تھی۔ عالیہ اس وار کو بھی حوصلے سے سہہ گئیں۔ رافعہ یا ان کے گھر میں سے کسی نے بھی ان سے عاشر یا اس کے طے ہوجانے والے رشتے کے بارے میں نہیں پوچھا تھا نہ مکان کی مبارکباد دی تھی۔ حالانکہ عالیہ نے خوش خوش سب کچھ بتایا تھا۔ رافعہ اور سب کا رویہ عام سا تھا۔ ماہ نور اس پوری گفتگو کے دوران صوفے پر بیٹھی اپنے ناخن فائل کرتی رہی۔ اس نے بس اجنبی سے انداز میں خالہ کو سلام کیا تھا۔

"اچھا میں چلتی ہوں۔" عالیہ شانوں پہ چادر برابر کرتی اٹھیں تو تب رافعہ کو جیسے خیال آیا۔ "میں ماہ نور کے فرض سے فارغ ہو کر تمہاری طرف چکر لگاؤں گی۔" انہوں نے عالیہ پہ احسان کرنے والے انداز میں کہا۔ وہ بے دلی سے سر ہلا کر رہ گئیں۔ ماہ نور آج خدا حافظ کہنے کے لیے بھی اٹھ کر گیٹ تک نہ آئی۔ وہیں سے دھیمی آواز میں انہیں الوداع کہا۔

☼ ☼ ☼

ماہ نور کی شادی دھوم دھام سے عمر کے ساتھ ہوئی تھی۔ طارق صاحب نے دل کھول کر بیٹی کی شادی پہ پیسہ لٹایا تھا۔ نمود و نمائش کا ایسا مظاہرہ ہوا تھا کہ حیثیت والوں نے اپنی انگلیاں دانتوں تلے داب لی تھیں۔ انہوں نے ماہ نور کو جہیز میں ایک سے اعلا چیز دی تھی۔ اس کی ساس اور نند کو سونے کے کنگن چڑھائے گئے تھے۔ شہر کے مہنگے علاقے میں طارق صاحب نے ماہ نور کو فلیٹ جہیز میں دیا تھا۔ گاڑی اس کے علاوہ تھی۔ حقیقی معنوں میں انہوں نے بیٹی کے گھر کو بھر دیا تھا۔

عام سی شکل و صورت والی ماہ نور کو بیوٹیشن کے جادوئی ہاتھوں نے آسمان سے اتری کوئی حور بنا دیا تھا۔

اب تو اس کا ایک پاؤں آسمان اور دوسرا آسمان سے بھی آگے جانے کی کوشش میں تھا۔

عاشر کے ساتھ شادی میں بھلا اسے کیا ملتا تھا۔ ایک عام سا گھر اور مسائل سے بھری زندگی۔ اس عام زندگی سے اس نے خود کو بروقت عقل مندی کا فیصلہ کرکے چھٹکارا دلا دیا تھا۔ عمر کے ساتھ خواب جیسی ہر آسائش زندگی اس کا انتظار کررہی تھی۔

ولیمہ کے بعد کا پورا ہفتہ دعوتیں نمٹاتے گزرا۔ اب عمر کو واپس اسلام آباد جانا تھا۔ ماہ نور بھی اس کے ساتھ تھی۔ گھر والوں سے وہ پہلی بار دور جارہی تھی' اس لیے قدرے اداس اور پریشان تھی' ایسے میں عمر کی بے پناہ محبت اور تسلی نے اس کے لیے جادو اثر دوا کا کام کیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ اسلام آباد آگئی۔

عمر کا گھر لاہور والے گھر کے مقابلے میں کچھ خاص نہ تھا۔ شادی کے شروع شروع کے دن تھے۔ اس نے خاص غور نہیں کیا۔ وہ اسے آتے ساتھ ہی گھر میں چھوڑ کر نکل گیا تھا۔ اس کی واپسی رات گئے ہوئی۔ ماہ نور کو اچھی خاصی بھوک ستا رہی تھی۔ عمر اپنے ساتھ پزا' برگر اور کولڈ ڈرنک لایا تھا۔ وہ سخت غصے میں تھی۔ وہ اسے یہاں لاتے ہی گھر میں اکیلا چھوڑ گیا تھا۔ عمر نے اس کی منتیں کرکے اسے منایا۔ تب جا کر اس کے منہ کے زاویے ٹھیک ہوئے۔

وہ صبح دس بجے اٹھتا اور ناشتا کرکے آفس کے لیے روانہ ہوتا۔ صفائی کے لیے گیارہ بجے ماسی آتی' دونوں کے لیے کھانا بناتی اور برتن بھی دھوتی۔ رات کے لیے عمر آتے ہوئے کھانا پیک کروا کے لے آتا۔

درمیان میں دس دن کے لیے وہ اسے گھمانے پھرانے کے لیے مری' ایبٹ آباد' سوات' کالام اور مالم جبہ بھی لے گیا۔ اس نے ماہ نور سے اسے ہنی مون منانے کے لیے موریشس لے جانے کا وعدہ کیا تھا۔ اس کا رویہ ماہ نور کے ساتھ بہت محبت آمیز تھا۔ وہ بے دریغ اس پہ اپنی چاہتیں لٹا رہا تھا۔ اور وہ آسمانوں میں اڑ رہی تھی۔ پورے ایک ماہ بعد وہ اسے امی ابو سے ملوانے میکے لایا تو اس کی آنکھوں میں چمک اور گالوں پہ

گلاب کھلے ہوئے تھے۔ رافعہ اور طارق اسے خوش دیکھ کر خود بھی خوش تھے۔ قدرت نے کیسا اچھا داماد دیا تھا انہیں۔

وہ ایک ہفتہ امی ابو کے پاس میکے میں رہی پھر عمر کے ساتھ سسرال آ گئی۔ یہاں گھر میں صرف اس کی ساس اور چھوٹا دیور تھا۔ باقی سب الگ الگ اپنے گھروں میں تھے۔ شادی کے موقع پہ طارق صاحب نے ماہ نور کو جو کار دی تھی وہ اس کی سسرال کے گیراج میں کھڑی تھی۔ ماہ نور وہ گاڑی اپنے ساتھ اسلام آباد لے جانا چاہ رہی تھی۔ لیکن پہلی بار عمر نے اس کی مخالفت کی۔

"وہاں میرے پاس اپنی گاڑی ہے۔ میری مانو تو یہ گاڑی فروخت کر کے پیسے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دو۔ اتنی اچھی گاڑی ہے تمہاری ہر وقت چوری کا ڈر رہے گا۔ اسلام آباد میں کار چوری کی بہت وارداتیں ہوتی ہیں۔" عمر نے اسے ڈرایا تو وہ فوراً اپنے ارادے سے باز آ گئی۔ لیکن گاڑی فروخت کرنے پہ اس کا دل راضی نہیں تھا۔ عمر نے دلائل سے اسے رام کر لیا۔ یوں وہ گاڑی فروخت ہو گئی۔ رقم عمر نے اس کے ہاتھ پہ رکھی۔

"میں کہاں سنبھالوں گی اسے۔ اپنے پاس ہی رکھیں۔"

"چلو ٹھیک ہے اسلام آباد جا کر تم اسے اپنے بینک اکاؤنٹ میں جمع کروا دینا۔ تمہاری رقم ہے۔ جس طرح مرضی چاہے رکھو۔" عمر نے لاپروائی سے کہا۔ شادی کے شروع کے دنوں میں فلیٹ کی ملکیت کے کاغذات بھی ماہ نور نے اسے دے دیے تھے۔ عمر نے انہیں بینک لاکر میں رکھوا دیا تھا۔ وہ جب چاہتی لے سکتی تھی۔ سلامی میں اس کے پاس لاکھوں روپے جمع ہوئے تھے۔ ماہ نور نے وہ بھی عمر کو دے دیے تھے۔

"یہ سب کچھ تمہاری امانت ہے۔ اسلام آباد جا کر خود سنبھالتی رہنا۔" شادی کے بعد اسلام آباد آنے سے پہلے عمر نے اسے کہا تھا۔ وہ بہت خوش ہوئی تھی۔ اس کا ہم سفر کتنا ایمان دار اور خود دار تھا۔

"یہ الگ بات کہ اسلام آباد آنے کے بعد عمر نے پیسے اسے نہیں دیے تھے۔ نہ ماہ نور کو مانگنے یاد تھے۔ اسلام آباد شفٹ ہونے کے بعد عمر نے ماہ نور سے اس کے سب زیورات بھی لاکر میں رکھوا لیے تھے۔

☼ ☼ ☼

رافعہ اور طارق پہلی بار ان کے گھر آئے تھے۔ عالیہ کی خوشی دیدنی تھی جبکہ امین بالکل نارمل تھے۔ وقت اور حالات نے ان کے اندر بے پناہ قوت برداشت اور صبر پیدا کر دیا تھا۔ رافعہ کی نگاہوں میں ستائش کے ساتھ ساتھ ایک اور جذبہ بھی تھا جسے رشک کا نام رعایت کے ساتھ دیا جا سکتا تھا۔ عالیہ نے بہن کو اپنی ہونے والی بہو کی تصویر بھی دکھائی جو رافعہ نے خاص عدم دلچسپی اور عجیب تیوروں کے ساتھ دیکھی۔

"اوئی ماں یہ تو اچھی خاصی عمر کی لگ رہی ہے۔"

"نہیں تو عاشر کے جوڑ کی ہے۔" عالیہ نے فوراً تردید کی۔

"پھر بھی لڑکی کو لڑکے سے کم سے کم پانچ سال چھوٹا ہونا چاہیے۔ میری ماہ نور تو اپنے شوہر سے چار سال چھوٹی ہے یا پھر اس سے بھی دو سال نیچے ہی ہو گی، کیونکہ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں ہے عمر کے بارے میں۔ اور عاشر کے لیے تم نے جو لڑکی ڈھونڈی ہے، ٹھیک ٹھاک بڑی لگ رہی ہے۔ ایسی بھی کیا تنگی تھی تمہیں۔" رافعہ نے بہن کو ایسے لتاڑا جیسے رکھتی ہو۔ عالیہ کا خوشی سے چمکتا چہرا اتر گیا تھا۔ اس بار وہ کوئی وضاحت ہی نہ دے سکیں۔

"تم نے لڑکی کے کردار کے بارے میں چھان بین کروائی ہے۔" انہوں نے مزید گوہر افشانی کی۔

"چھان بین کیسی۔ اچھے گھر کی ہے اور اچھی لڑکی ہے۔" عالیہ ان کا حقیقی مفہوم جانے بغیر سادگی سے بولیں۔

"اس لڑکی کی اتنی عمر ہو گئی ہے۔ ابھی تک شادی کیوں نہیں ہوئی اس کی؟ یہ معلوم کروانے کی کوشش کی ہے تم نے؟" انہوں نے کھل کر مطلب واضح کیا۔ پہلی بار عالیہ کو ان کی سوچ کی پستی پہ غصہ آیا۔

"ہم نے آس پاس پڑوس سے ہر طرح کی تسلی کروائی ہے تب ہی افراح کے ساتھ عاشر کا رشتہ پکا کیا ہے۔ اس کے بھائیوں کا اپنا کاروبار ہے۔ افراح نے سولہ جماعتیں پڑھی ہیں اور ایک انگلش میڈیم اسکول میں پڑھانے بھی جاتی ہے۔" عالیہ نے غصہ دباتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو استانی ہے۔" رافعہ نے عجیب سے انداز میں کہا۔ ادھر طارق بھی امین سے کرید کرید کر عاشر کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔ اس کی نوکری کی نوعیت کیا ہے' تنخواہ کتنی ہے' کون سی کمپنی میں کام کرتا ہے' وہ کب آئے گا' گھر کتنے پیسے بھیجتا ہے' اس نے یہ گھر کتنے کا خریدا ہے' وغیرہ وغیرہ۔ اس طرح کے بہت سے سوال انہوں نے پوچھے تھے۔

صاف لگ رہا تھا ان میاں بیوی کو امین صاحب کے حالات کی تبدیلی اور معاشی خوشحالی برداشت نہیں ہو پا رہی ہے۔

امین صاحب سے ان کے یہ احساسات مخفی نہ رہ پائے تھے۔ ہاں عالیہ اپنی سادگی میں ایک بار پھر نظر انداز کر گئی تھیں۔ آخر کو رافعہ ان کی ماں جائی تھی۔

☼ ☼ ☼

ماہ نور نیند میں ڈوبی ہوئی تھی جب عمر نے اس کا کندھا پکڑ کر ہلایا۔ اس نے بہت مشکل سے آنکھیں کھولیں۔ عمر آفس جانے کے لیے تیار کھڑا تھا اس کی داہنی سائیڈ پہ بریف کیس پڑا تھا' ماہ نور کو آنکھیں کھولتے دیکھ کر اس نے بریف کیس کھول کر کچھ کاغذات نکالے۔

"ڈارلنگ! یہاں سائن کرو۔ میں تمہارا اور اپنا جوائنٹ اکاؤنٹ کھلوا رہا ہوں۔" اس نے بہت پیار سے ماہ نور کے ہاتھ میں پین پکڑوایا۔ اور پیپرز اس کے سامنے رکھے۔ ماہ نور کا ذہن نیند میں ابھی بھی ڈوبا ہوا تھا۔ اس نے عمر سے کچھ بھی نہیں پوچھا اور ان پیپرز پہ سائن کر دیے۔

عمر نے سائن کروانے کے بعد اس کا سر تھپتھپایا

"سو جاؤ ڈارلنگ!" وہ بریف کیس میں کاغذات رکھ کر بیڈ روم سے نکل گیا۔ ماہ نور دوبارہ سو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"عاشر! تم کب آؤ گے؟ ہمیں تمہاری شادی بھی کرنی ہے۔" امین فون پہ بیٹے سے بات کر رہے تھے۔

"ابو کچھ ماہ تک آجاؤں گا پکا پکا۔ پھر آپ کے پاس ہی رہوں گا۔"

"پکا پکا کیوں۔ دوبارہ نوکری پہ واپس نہیں جانا کیا؟"

"نہیں ابو! میں آپ اور امی کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتا۔ پاکستان میں ہی چھوٹا موٹا کاروبار کر لوں گا۔ اس مقصد کے لیے میں پیسے جمع کر رہا ہوں تین برس سے۔" عاشر نے تفصیل سے بتایا۔

"اللہ تمہیں کامیاب کرے۔ ہمیں بھی ساری عمر تمہاری پردیس کی کمائی نہیں کھانی۔ ہم مل جل کر رہیں گے۔ اچھا برا وقت کٹ لیں گے۔"

"ابو برا وقت گزر گیا ہے۔ اب اچھے دن شروع ہو گئے ہیں۔ میں پاکستان آکر اپنے کاروبار کے لیے جگہ دیکھوں گا۔ حماد بھی میرے ساتھ ہے۔ ہم دونوں مل کر کام کریں گے۔"

"جو بھی ہے تم جلدی آؤ۔ میں اور تمہاری ماں تمہیں دیکھنے کے لیے ترس رہے ہیں۔ افراح کے بھائی بھی دو تین بار پوچھ چکے ہیں تمہارے آنے کا۔" ابو نے اس کی زندگی میں آنے والی تبدیلی کے حوالے سے بات کی تھی۔ وہ ٹھٹک سا گیا جیسے۔

"افراح۔" اسے تو نام بھی یاد نہیں تھا حالانکہ امی جب بھی اس کے ساتھ بات کرتی تھیں افراح کا نام لیتی تھیں پر وہ اسے ابھی تک یاد نہیں ہوا تھا۔ وہ اکثر اس نام پہ چونک جاتا۔ حالانکہ اب اس کے ساتھ زندگی بھر کا ناتا جڑنے والا تھا۔ اسے حیران ہونا چھوڑ دینا چاہیے تھا۔

"ابو میں آجاؤں گا جلدی۔" وہ کھوئے کھوئے لہجے میں بولا۔

عاشر کی طرح حماد بھی باہر تھا۔ وہ دونوں ایک ہی کمپنی میں تھے۔ اس کی بیوی فری اپنے بوڑھے سسر کے ساتھ عالیہ اور امین صاحب کے گھر کے پاس ہی رہتی تھی۔ اس کی موجودگی سے عالیہ کو وہ سراہٹ کا آسرا ہو گیا تھا۔ وہ اہم موقعوں پہ عالیہ کے ساتھ عاشر کے ہونے والی سسرال جاتی۔ افراح سے مل کر اسے بہت خوشی ہوئی تھی۔ حماد اس کے ساتھ عاشر کی بہت باتیں کرتا تھا وہ ہمیشہ اس کے لیے اچھے الفاظ استعمال کرتا۔ فری' ہمیشہ عاشر کے حوالے سے افراح کو دیکھتی' ویسے تو وہ اسے بہت اچھی لگی تھی لیکن اس میں کسی کمی کا احساس ہوتا تھا۔ افراح ٹھیک ٹھاک خوب صورت تھی۔ اس کی جلد ہموار اور بے داغ تھی۔ ہاتھ پاؤں بالکل صاف ستھرے' ستواں ناک' موٹی موٹی آنکھیں۔ وہ ناک میں لونگ ڈال کر اسے اور بھی قابل توجہ بنا سکتی تھی۔ اس کی موٹی پُر تاثر آنکھیں کسی بھی قسم کی آرائش سے بے نیاز تھیں۔ لمبے گھنے بال سیدھی مانگ کے ساتھ چٹیا میں گندھے رہتے۔ وہ چاہتی تو بہ آسانی سب کی توجہ حاصل کر سکتی تھی۔ فری اسے آہستہ آہستہ اپنے ڈھب پہ لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

☼

تین دن سے کام والی ماسی نہیں آرہی تھی۔ رات کو عمر کھانا پیک کروا کے لا رہا تھا۔ فریج میں جو کچھ تھا' ماہ نور نے ڈھیر بار کر لیا تھا۔ عمر نے اکھڑے اکھڑے لہجے میں کہا تھا کہ خود گھر پہ کھانا بناؤ۔ میں نوکر افورڈ نہیں کر سکتا۔

"کیوں ہم نوکر افورڈ نہیں کر سکتے؟" پہلی بار اس کے ساتھ بات کرتے ہوئے ماہ نور کا لہجہ تلخ ہوا۔

"میرا بزنس ڈاؤن جا رہا ہے۔" وہ آرام سے بولا۔

ماہ نور نوٹ کر رہی تھی کہ عمر کا رویہ اس کے ساتھ سرد رہنے لگا ہے۔ ایسا اس دن سے تھا جب سے لیڈی ڈاکٹر نے ماہ نور کا چیک اپ کر کے اسے باپ بننے کی خوش خبری سنائی تھی۔ ایسا لگتا تھا اسے خوشی نہیں ہوئی تھی حالانکہ ماہ نور بہت خوش تھی۔ اس دن سے اس کا رویہ بدل گیا تھا۔ پہلے وہ اس کے ناز نخرے اٹھاتا' گھمانے پھرانے لے جاتا لیکن اب ایسا نہیں تھا۔ باپ بننے کی خبر کے ساتھ ہی اس میں جیسے کوئی نئی روح سرایت کر گئی تھی۔ یہی وجہ ہے جب ماہ نور نے اسے لاہور امی ابو کی طرف چھوڑنے کا کہا تو وہ فوراً راضی ہو گیا۔

"ایسا کریں لاکر سے میرا زیور تو لا دیں۔" وہ مصروف سے انداز میں بولی۔

"کیوں؟"

"میں لاہور جا رہی ہوں پہن کر جاؤں گی۔ زیادہ نہیں ایک سیٹ دو کڑے اور تین چار انگوٹھیاں لا دیں۔ باقی امی کے گھر کا ہلکا پھلکا زیور تو میرے پاس ہی ہے۔ چوڑیاں اور بریسلیٹ بھی گھر میں ہے۔" وہ بیگ کھول کر چیک کر رہی تھی۔ عمر نے اسلام آباد آکر اس کا زیور حفاظتی نقطہ نگاہ سے اپنے بینک لاکر میں رکھوا دیا تھا۔ ماہ نور کے پاس وہ ہی زیور تھا جو اس نے پہن رکھا تھا یا پھر ہلکی پھلکی چیزیں تھیں۔

"ہاں لا دوں گا۔ تم کب جاؤ گی؟" وہ لاپروائی سے بولا۔

"کل چلے جاتے ہیں۔ مجھے امی ابو بھائیوں بھابیوں اور آنٹی کے لیے شاپنگ بھی کرنی ہے اس کے لیے پیسے چاہیے تھے۔"

"چھوڑو شاپنگ کو لاہور سے ہی کر لینا۔ اور میری مانو تو آج ہی چلتے ہیں کل مجھے بہت ضروری بزنس میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔ تمہیں آج چھوڑ کر میں رات کو بائی ایئر آجاؤں گا۔" اس کا لہجہ قطعی اور حتمی تھا۔ کچھ تھا اس کے انداز میں کہ ماہ نور کو انکار کی ہمت ہی نہیں ہوئی۔ وہ فقط سر ہلا کر رہ گئی۔

عمر ماہ نور کو اس کے میکے چھوڑ کر خود اپنے گھر آگیا تھا۔ یہاں ثمامہ اس کا چھوٹا بھائی اور امی تھیں۔ ثمامہ کو اسلام آباد سے نکلتے ہی اس نے فون کر دیا تھا وہ اس کی فون کال سننے کے بعد امی کے گھر پہنچ گئی تھی۔

"کیسا رزلٹ ہے؟" ثمامہ اسے دیکھتے ہی چہکی۔

"رزلٹ شاندار ہے بس تھوڑی گڑبڑ ہو گئی ہے۔" ثمامہ سمجھ گئی تھی۔

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"وہ ہمارا دردِ سر نہیں ہے۔ یہ بتاؤ اب کیا کرنا ہے؟"

"ماہ نور اگلا اسٹیپ لے تو پھر ہی کچھ کیا جاسکتا ہے۔"

"لے گی اگلا اسٹیپ بھائی! فکر مت کرو۔" ثمامہ نے اسے تسلی دی۔

"گاڑی تو میں نے پہلے چکر میں ہی فروخت کرکے پیسے کھرے کرلیے تھے۔ زیور بھی ٹھکانے لگ گیا ہے' باقی ماہ نور کو جہیز میں ملنے والا فلیٹ بھی میرے نام ہوچکا ہے۔" عمر بکرہ مسکراہٹ سمیت بتا رہا تھا۔ ثمامہ اور اس کی ماں کی آنکھیں خوشی سے چمک رہی تھیں۔

"میرے حساب سے تو اب دی اینڈ ہوجانا چاہیے؟" ثمامہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"دی اینڈ بھی ہوجائے گا' فکر مت کرو۔ میں نے اس بار پکا کام کیا ہے۔" عمر نے تسلی دی۔

☼ ☼ ☼

"کیا حال بنالیا ہے تم نے۔ نہ کوئی زیور پہنا ہے نہ ڈھنگ کے کپڑے۔ عمر تمہارے ساتھ ٹھیک ہے ناں۔" رافعہ ماہ نور کے چہرے پر نظر پڑتے ہی ٹھٹک گئی تھیں۔ موسم ٹھیک ٹھاک گرم تھا' وہ جہیز کی ایک فینسی امبرائیڈ ڈسوٹ میں ملبوس تھی جو موسم کے لحاظ سے قطعی نا موزوں تھا۔ عمر کے ساتھ وہ جب بھی آتی' نک سک سے تیار ہنستی مسکراتی آتی' لیکن اس بار رنگ ڈھنگ بدلے ہوئے تھے۔ رافعہ اور طارق نے اسے ایک سے ایک گولڈ کی اور پتھروں کی قیمتی جیولری دی تھی' لیکن اس وقت اس کا گلا' کان اور ہاتھ تقریباً خالی نظر آرہے تھے۔ اس کا چہرہ بھی اترا اترا لگ رہا تھا۔ رافعہ پریشان ہوگئیں۔ انہیں کسی غیر معمولی تبدیلی کا احساس ہو رہا تھا۔ ماہ نور ان کے گلے سے لگی رو رہی تھی۔

"میں پوچھتی ہوں عمر اور اس کی ماں سے۔ کیا حال کردیا ہے تمہارا۔ ابھی تک تم جہیز کے کپڑے پہنے پھر رہی ہو' ان لوگوں سے اتنا نہ ہوسکا کہ تمہیں موسم کے لحاظ سے کپڑے دلادیں۔" رافعہ بیٹی کے آنسو دیکھ کر بپھر گئی تھیں۔

"ابھی فون کرتی ہوں تمہارے ابو کو۔" ماہ نور نے انہیں روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ پہلی بار اس کی چھٹی حس کسی گڑبڑ کی طرف اشارہ کررہی تھی۔ عمر ایک دم سے ہی اجنبی ہوگیا تھا۔ اس نے شاپنگ کا بولا تو عمر نے کوئی دھیان ہی نہیں دیا۔ اسے باہر گیٹ پہ ہی ڈراپ کرکے وہ چلا گیا تھا۔ جاتے وقت اس نے ماہ نور سے یہ پوچھنے کی بھی زحمت نہیں کی کہ تم کب آؤ گی یا میں تمہیں لینے کب آؤں؟ وہیں سے گاڑی زن سے موڑ کرلے گیا تھا۔

رافعہ کے ایک فون پہ طارق فوراً گھر آگئے تھے وہ بھی لاڈلی بیٹی کو اداس اور خاموش دیکھ کر پریشان ہوگئے۔

"کیا بات ہے میرے بچے۔" انہوں نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھا تھا۔

"ذرا دیکھیں تو سہی اس کو۔" رافعہ نے جانے کس طرف ان کی توجہ دلائی تھی' انہوں نے سوالیہ نگاہوں سے بیوی کی طرف دیکھا۔

"اس سے پوچھیں تو سہی زیور کہاں ہے۔ گلا خالی کلائیاں سونی پڑی ہیں خدانخواستہ جیسے کچھ ہے ہی نہیں۔" رافعہ کو رہ رہ کر قلق ہو رہا تھا۔ انہوں نے ماہ نور کو سختی سے تاکید کی ہوئی تھی کہ جب بھی میکے آؤ یا کسی ملنے جلنے والے کے گھر جاؤ اپنے زیور پہن کر جاؤ۔ وہ خواتین کی اس کیٹگری سے تعلق رکھتی تھیں جن کے نزدیک سونے کے زیورات عورت کی عزت میں چار چاند لگاتے تھے۔ چار تو کیا اس وقت ماہ نور ایک بھی چاند سے محروم تھی۔

"ماہ نور! کیا بات ہے۔ تم کیوں پریشان ہو اتنی۔" انہوں نے ایک بار پھر پیار سے پوچھا۔

"عمر اسے گیٹ سے چھوڑ کر چلا گیا ہے' اندر سلام کرنے تک نہیں آیا۔" رافعہ نے ایک بار پھر دخل دیا تو طارق صاحب نے انہیں ناپسندیدگی سے دیکھا۔

"ابو! پہلے تو سب کچھ ٹھیک تھا لیکن اب مجھے نہ

جانے کیوں عجیب عجیب سے خیال آرہے ہیں۔" اضطراب اس کی آواز اور سراپے تک سے ظاہر ہو رہا تھا۔

شادی کے شروع دنوں کا خمار اتر چکا تھا اور اب بہت کچھ واضح ہو رہا تھا۔ عمر نے کبھی بھی اس کے ہاتھ پیسے نہیں رکھے تھے نہ ہی اس نے ماہ نور کو شادی کے بعد شاپنگ کروائی تھی۔ منہ دکھائی میں اس نے ماہ نور کو ڈائمنڈ کا بریسلیٹ دیا تھا وہ بھی لے کر لاکر میں رکھ دیا تھا کہ حالات ٹھیک نہیں ہیں' گھروں میں بہت چوریاں ہوتی ہیں۔ اس کے تمام زیورات روپے پیسے سب کے سب عمر کے قبضے میں تھے۔ اس کے پاس پھوٹی کوڑی تک نہ تھی۔ اب اسے یاد آرہا تھا اس نے جب بھی عمر سے زیورات واپس مانگے اس نے ٹال دیا۔ ماہ نور نے گاڑی فروخت کرکے پیسے عمر کو دینے کی بات ابھی ابھی ابو کو بتائی تھی۔ اس نے سب خدشات امی ابو کو بتا دیے تھے۔ اس کے اسلام آباد آنے کے بعد اس کی ساس' نند یا دیور نے کبھی بھی اس سے رابطہ نہیں کیا تھا' وہ خود ہی فون کرتی تھی۔ بظاہر سب کچھ دیکھنے میں ٹھیک تھا لیکن رہ رہ کر کوئی چیز کھٹک رہی تھی۔

طارق اور رافعہ دونوں پریشان ہو رہے تھے۔ ماہ نور نے انہیں جو کچھ بتایا تھا' وہ نظر انداز کرنے والا نہیں تھا اور اب تو ایک اور زندگی اس کے وجود میں سانس لینے لگی تھی۔

جب طارق نے ماہ نور اور عمر کا رشتہ طے کیا تو سب خاندان والوں نے دبے دبے الفاظ میں منع کرنے کی کوشش کی تھی۔ عمر یا اس کے خاندان سے کوئی بھی واقف نہیں تھا۔ طارق صاحب اور دونوں بیٹوں نے اپنے طور پہ چھان بین کی تھی۔ لاہور آنے سے پہلے لوگ کراچی میں رہائش پذیر تھے۔ کراچی میں بقول عمر کی والدہ کے ہمارا تمام خاندان آباد ہے۔ عمر تمام خاندان سے طارق' واقف نہیں تھے۔ رافعہ نے اتنا شور مچایا پھر ان کی لاڈلی بیٹی ماہ نور کی بھی یہی مرضی تھی' انہیں ہاں کرتے ہی بنی۔ رافعہ کی فرمائش پہ انہوں

نے بیٹی کو دنیا جہان کی چیزیں جہیز میں دی تھیں۔

ماہ نور پریشان ان کے سامنے بیٹھی تھی۔ اسے آرام و سکون کی ضرورت تھی۔ رافعہ طارق کے اشارے کرنے پہ ماہ نور کو کمرے میں لے آئیں۔

"تم آرام کرو تھوڑا۔ میں ذرا کھانے پینے کا انتظام کرواؤں۔" اسے بیڈ پہ لٹا کے وہ طارق صاحب کے پاس آگئی تھیں۔

"میں ایک دو دن تک عمر کی والدہ سے بات کرتا ہوں۔" وہ رافعہ کو دیکھ کر بولے۔

"آپ عمر سے بات کریں پہلے۔ ممکن ہو تو اسے فون کرکے یہاں بلوالیں۔" رافعہ نے مشورہ دیا۔

"میرے خیال میں یہ فوراً مناسب نہیں ہوگا۔ ہوسکتا ہے ان میاں بیوی میں جھگڑا ہوا ہو اور ہمیں ماہ نور مس گائیڈ کررہی ہو۔"

"توبہ توبہ" آپ کو اپنی بیٹی پہ اعتبار نہیں ہے وہ کیوں

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
دستِ کوزہ گر
فوزیہ یاسمین

قیمت -/750 روپے
32735021

غلط بیانی کرے گی۔ اس کا اترا ہوا چہرا اور ماند پڑتی رنگت نہیں دیکھی آپ نے ایسے لگتا ہے ڈھنگ سے کھاتی پیتی تک نہیں ہے۔ اب تو وہ دوسرے کی ہے۔ اس کے سسرال اور شوہر کو خیال رکھنا چاہیے ماہ نور کا۔" رافعہ تڑپ ہی تو گئی تھیں۔ بیوی کے شور کرنے پہ طارق صاحب نے چپ سادھ لی۔ ویسے ان کا دل بھی بیٹی کی ہی طرف داری کر رہا تھا۔

✡ ✡ ✡

عالیہ کتنی دیر بے یقینی کے عالم میں اسے تکتی رہیں پھر جھپٹ کر اسے اپنے سینے سے لگایا۔ ممتا کی پھوار میں وہ پور پور بھیگ چکا تھا۔

"تم نے اپنے آنے کی اطلاع تک نہیں دی۔" امین نے بھی شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھا تو وہ مسکرا دیا۔ عالیہ نثار ہو جانے والی نگاہوں سے عاشر کو دیکھ رہی تھیں۔ خالص خوراک نے اس کی صحت پہ اچھا اثر ڈالا تھا۔ اس کی گندمی رنگت اور بھی صاف ہو گئی تھی دبلا پتلا جسم بھر گیا تھا۔ چہرہ مزید پرکشش ہو گیا تھا۔ کلائی پہ بندھی قیمتی گھڑی سامنے ٹیبل پہ رکھا مہنگا اسمارٹ فون اور برانڈڈ کپڑوں میں ملبوس عاشر دیکھنے والوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا رہا تھا۔ عالیہ نے کتنی بار ہی تو اسے نظر بد سے بچنے کی دعا دی۔

حماد اس سے دو ہفتے پہلے آیا تھا اس کے آنے کی اطلاع صرف حماد کو ہی تھی۔ وہی اسے ایئرپورٹ سے گھر لے کر آیا تھا۔ امی ابو اسے دیکھ کر حیران ہوئے تھے پر ان کی نگاہوں میں خوشی کے رنگ بہت گہرے تھے۔

عالیہ نے اس کی پسند کے کھانے بنائے۔ قیمہ اور شملہ مرچ، چاولوں کی کھیر، پالک گوشت وہ یہ سب بہت شوق سے کھاتا تھا۔ آج انہوں نے اس کے لیے بہت شوق اور محنت سے کھانا بنایا تھا۔ اس نے ہر ہر لقمے پہ تعریف کی تھی۔

"امی میں آپ کے ہاتھ کے بنے پراٹھے اور چائے پینے کو ترس گیا ہوں۔" کھاتے کھاتے اسے کچھ یاد آیا تھا۔

"میں صبح ناشتے میں اپنے بچے کو بنا دوں گی۔" عالیہ خوشی سے نہال ہو رہی تھیں۔ رات کھانے سے فارغ ہو کر عاشر نے امی ابو کے لیے خریدی گئی چیزیں نکالیں۔ امی کے لیے وہ سونے کے کنگن، جھمکے اور ایک انگوٹھی لایا تھا۔ ابو کے لیے گھڑی، سوٹ پیس اور ایک موبائل فون تھا۔ باقی کچھ چھوٹی موٹی اشیا وہ دیگر رشتہ داروں کے لیے تھیں۔

"تم یہ سونے کے گہنے میرے لیے کیوں لائے ہو۔ اس عمر میں کہاں اچھے لگیں گے مجھ پر۔ میں افراح کے لیے رکھ دیتی ہوں۔" انہوں نے گہنے اٹھا کر ایک طرف رکھنے چاہے تھے پر عاشر نے ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"نہیں امی! یہ آپ پہنیں گی۔ میری برسوں سے خواہش تھی کہ آپ بھی میری خالاؤں اور چچیوں کی طرح سونے میں لدی پھندی نظر آئیں۔" عاشر نے کڑے خود ان کی کلائی میں ڈالے تھے۔ عالیہ کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

"افراح کے لیے بھی کچھ لیا ہے کہ نہیں؟"

"امی یہ جو سامان آپ نے مجھے لانے کو کہا تھا وہ سب اس کالے سوٹ کیس میں پڑا ہے آپ دیکھ لیں۔" عاشر نے سوٹ کیس کھول کر ان کے آگے رکھ دیا تھا۔ سب کچھ دیکھنے کے بعد وہ مطمئن تھیں۔

"صبح تمہارے سسرال والوں کو تمہارے آنے کی اطلاع کرتے ہیں۔ ساتھ ساتھ ادھر کا ایک چکر بھی لگا لیتے ہیں۔" امین صاحب اسے بتا رہے تھے۔ وہ غائب دماغی سے سر ہلا کر رہ گیا۔ ان کے منہ سے "تمہارے سسرال والوں" سن کر اسے عجیب سا لگا تھا۔

✡ ✡ ✡

ٹیبل پہ انواع و اقسام کی کھانے کی ڈھیروں اشیا سجی تھیں۔ عدنان اور وقاص بصد اصرار ایک ایک چیز ہاتھ سے اٹھا کر اس کی پلیٹ میں خود ڈال رہے تھے۔

گندمی رنگت، [illegible] آنکھوں اور باوقار قد کاٹھ والا

انہیں بے پناہ پسند آیا تھا۔ اب وہ بالکل مطمئن تھے۔ یہی چال عادات اور رویہ ان کا بھی تھا۔ افراح باورچی خانے میں تھی۔ فری "افراح" کو زبردستی پکڑ کر ڈرائنگ روم کی کھڑکی کی طرف لائی تھی۔ تاکہ وہ عاشر کو ایک نظر دیکھ لے۔ پر افراح بری طرح جھینپ گئی تھی۔ اس کے چہرے پہ اترے شرم و حیا کے رنگ اتنے خوب صورت تھے کہ فری ایک ٹک دیکھتی رہ گئی۔

"عاشر بھائی اور تم دونوں بہت خالص ہو۔ انوکھے اور منفرد۔ کوئی دونوں سا اور نہیں ہو گا۔" فری نے پورے یقین سے کہا۔

عاشر ہونے والی سسرال سے ملنے آیا تھا مگر یہاں شادی کی تاریخ بھی مل گئی تھی کیونکہ افراح کی فیملی اب پوری طرح مطمئن تھی۔

✡ ✡ ✡

افراح اپنی کتابیں گتے کے کارٹن میں پیک کر رہی تھی۔ یہ سب اسے ساتھ لے کر جانی تھیں۔ شادی میں ہفتے سے بھی کم دن باقی رہ گئے تھے۔

اس کے پاس موجود اشیاء میں سب سے قیمتی کتابیں ہی تھیں۔ اس نے اپنے اکثر کپڑے، جوتے اور استعمال کی چیزیں گھر میں کام کرنے والی ماسی کو دے دی تھیں۔ وہ غریب عورت بہت خوش ہوئی تھی۔ کیونکہ افراح کے کپڑے، جوتے صاف اور اچھی حالت میں تھے۔ اس نے کچھ پیسے بھی ہمیشہ کی طرح سب سے چھپ کر اس کی مٹھی میں تھمائے تھے۔ وہ ایسے ہی اس کی مدد کرتی تھی۔

اس نے بہت سے لوگوں کی خاموش بے آواز دل سے نکلی دعائیں لی تھیں۔

✡ ✡ ✡

رافعہ خالہ کے گھر کے باہر عاشر عالیہ کو ڈراپ کر گیا تھا۔ وہ گیٹ سے اندر آئیں تو خاموشی نے استقبال کیا۔ رافعہ بہت تھکن زدہ اور افسردہ نظر آ رہی تھیں۔ عالیہ کا ماتھا ٹھنکا ماہ نور بھی وہیں تھی۔ اس کا رنگ زرد اور چہرے پہ چھائیاں نمایاں ہو رہی تھیں۔ حالانکہ چند ماہ پہلے اپنی شادی پہ وہ بے پناہ خوب صورت اور حسین لگ رہی تھی۔ وہ عالیہ سے اچھے طریقے سے ملی اور وہیں ان کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ عالیہ کی گود میں عاشر کا لایا ہوا قیمتی لیدر کا ہینڈ بیگ پڑا تھا اور دونوں کلائیوں میں سونے کے کڑے جگمگا رہے تھے۔ وقت نے یک دم کیسا پلٹا کھایا تھا۔ قسمت اس سے پہلے عالیہ پہ ایسے مہربان نہیں ہوئی تھی۔ وہ عید تہوار پہ ہی نئے کپڑے بنایا کرتی تھیں کیونکہ امین کی بندھی تنخواہ زیادہ اجازت نہیں دیتی تھی۔ سونے کا ان کے پاس کوئی زیور تک نہ تھا اور اب ان کے گلے میں سونے کی چین، کانوں میں جھمکے، انگلیوں میں انگوٹھیاں اور کلائیوں میں کڑے تھے۔ عالیہ نے قیمتی کپڑے کا نفیس سوٹ زیب تن کر رکھا تھا۔ ساتھ چکن کڑھائی کی بہت خوب صورت چادر تھی۔ ماہ نور اور رافعہ کی آنکھوں میں دلچسپی تھی۔ انہوں نے یعنی رافعہ نے عالیہ کا گھر دیکھا ہوا تھا۔ ماہ نور کو آ کر انہوں نے پورے گھر کی ایک ایک چیز کی تفصیل بتائی تھی۔

"تم سب شادی میں آنا اور ماہ نور اتم بھی۔" انہوں نے بطور خاص ماہ نور کی طرف دیکھا تھا۔ اس نے ہولے سے اثبات میں سر ہلایا۔ عالیہ کو وہ بہت بدلی بدلی سی لگ رہی تھی۔ دونوں ماں بیٹی افسردہ نظر آ رہی تھیں۔ پر انہوں نے خود سے کرید نہیں کی۔ جاتے جاتے انہوں نے ماہ نور اور عمر کا کارڈ بھی رافعہ کو تھمایا اور ایک بار پھر آنے کی یاددہانی کروائی۔

"عالیہ کا رہن سہن، رنگ ڈھنگ بالکل بدل گیا ہے۔ دیکھا تم نے سونے کے کیسے خوب صورت ڈیزائن والے زیور پہنے ہوئے تھے تمہاری خالہ نے۔ اب تو پہننے اوڑھنے کا سلیقہ بھی آ گیا ہے میری بہن کو۔" رافعہ کے لہجے میں چبھن تھی۔

"امی! خدا جب حسن دیتا ہے تو نزاکت آ ہی جاتی ہے۔" ماہ نور نے تائید کی تو وہ خاموش ہو گئیں۔

"لگتا ہے عاشر خوب کما رہا ہے۔ گھر بھی اتنا اچھا لے لیا ہے ان لوگوں نے۔ اب شادی بھی کر رہے ہیں۔ پر سچ پوچھو تو لڑکی ایویں سی ہے۔"

READING CORNER
http://readingcornerpk.blogspot.com/

"امی! خالہ نے کبھی آپ سے شکوہ کیا انکار کے بعد؟" ماہ نور کو آج تجسس ہو رہا تھا۔

"نہیں۔ کبھی بھی نہیں کہا نہ اچھا نہ برا نہ لڑائی نہ جھگڑا۔ تمہاری خالہ بہت کھلی ہے۔ تمہاری اور عمر کی شادی پہ خود کو جان کر خوش ظاہر کر رہی تھی۔ اتنی جھولی بھر بھر دعائیں دیں سب کے سامنے۔"

"واقعی امی! خالہ نے آپ سے کچھ بھی نہیں کہا؟ اتنے برس میری اور عاشر کی منگنی رہی۔ اس حساب سے تو انہیں دکھ ہونا چاہیے تھا۔" ماہ نور کو آج قلق ہو رہا تھا۔

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں عالیہ اور امین بھائی نے ہمیں ایک لفظ تک نہیں کہا 'بس یہی بولے کہ نصیب میں نہیں تھی ہمارے ماہ نور' اسی میں اللہ کی مصلحت ہوگی۔"

"یعنی میری اور عاشر کی منگنی ٹوٹ گئی تو اس میں اللہ کی مصلحت تھی۔" عجیب سا پچھتاوا تھا اس کے لہجے میں۔

"اب بس بھی کرو۔ پرانے قصے دہرانے کا فائدہ نہیں ہے۔ تم اپنی صحت کو دیکھو۔ ڈاکٹر نے بہت احتیاط بتائی ہے۔"

"امی! کیا فائدہ احتیاط کا۔" مایوسی اور بے بسی اس کے لہجے میں نمایاں تھی۔

"اللہ بہتر کرے گا تم ناامید نہ ہو۔ ایسا کرو تیار ہو جاؤ، عاشر کی شادی میں پہننے کے لیے خریداری کرتے ہیں کپڑے، جوتے۔ آخر سب کو پتا چلنا چاہیے کہ تم عاشر کی منگیتر رہ چکی ہو۔ بہت اچھے کپڑے پہن کر جانا سب کو جلانا۔ تمہاری خالہ بہت ہواؤں میں اڑ رہی ہیں آج کل۔" رافعہ کی ذہنی رو بھٹک گئی تھی۔

"امی مجھے تو عاشر کی دلہن دیکھنے کا شوق ہے بس۔"

"ہاں دیکھ لینا دلہن بھی دیکھتے ہیں کون سی حور پری ہے۔" رافعہ کے لہجے میں طنز نمایاں تھا۔

☆ ☆ ☆

عدنان اور وقاص نے بارات کے استقبال کے لیے اچھے شادی ہال میں انتظامات کیے تھے۔ رافعہ، ماہ نور، طارق صاحب اور ان کے دونوں بیٹے سب ہی شادی میں آئے تھے۔ عاشر کی بدلتی معاشی ترقی کو وہ بھی خود دیکھنا چاہ رہے تھے۔ عاشر کی سسرال پڑھی لکھی اور مہذب لگ رہی تھی۔ افراح کا پورا خاندان ہی خوش حال اور اعلا تعلیم یافتہ تھا۔ یہ بات ان کے رکھ رکھاؤ سے بھی نمایاں تھی۔

ماہ نور کی نگاہیں عاشر کو تلاش کر رہی تھیں۔ نکاح کے بعد افراح کو ہال میں بنے اسٹیج پہ لایا گیا۔ عاشر بھی اس کے ساتھ آیا تھا۔ ماہ نور بھی جان سے ان دونوں کی طرف متوجہ تھی۔ اس کی دلہن آسمانی اور ریڈ کلر کے امتزاج شرارے میں بے انتہا حسین لگ رہی تھی۔ اس کے سامنے ماہ نور کی شادی ماند پڑ گئی تھی اور عاشر اس کے ساتھ بیٹھا کتنا خوش اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔ اس کا دبلا پتلا جسم بھر کر اور بھی پروقار ہو گیا تھا۔ گندمی رنگت میں ہلکی سی سرخی چھلک رہی تھی۔ بے اختیار ہی ماہ نور نے عمر اور عاشر کا موازنہ کیا۔ وہ کسی بات پہ دھیرے دھیرے مسکرا رہا تھا۔ اس کے ہموار سفید دانت چمک رہے تھے۔ سرخ ہونٹ صحت مند مسکراہٹ کو نمایاں کر رہے تھے۔ جبکہ عمر چین اسموکر تھا۔ اسموکنگ کی وجہ سے اس کے دانت پیلے پڑ گئے تھے اور پتلے پتلے ہونٹ سیاہی مائل ہو کر عجیب بدہیئت سے ہو گئے تھے۔ عمر کے سامنے کے بال بھی چھدرے تھے، ماتھا چوڑا چوڑا لگنے لگا تھا۔ شادی کے بعد اس کی توند بھی خاصی نمایاں ہو گئی تھی۔ شادی سے پہلے ہی وہ موٹاپے کی طرف مائل تھا۔ اسے اپنی فٹنس اور اسمارٹ نیس سے کوئی غرض نہیں تھی۔ کھانے پینے کا شوقین تھا اور ڈٹ کے کھاتا تھا۔ خود وہ کتنا بدل گئی تھی۔ اچھی خاصی صاف رنگت جو اس نے مختلف ٹوٹکوں اور کریموں سے حاصل کی تھی۔ اس پہ چھائیاں اور زردیاں نمایاں ہو گئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد حلقے اور عجیب طریقے سے بے ڈول ہوتا جسم۔ حالانکہ شادی سے پہلے وہ اچھی خاصی تھی۔ انواع و اقسام کی کریموں اور کاسمیٹکس سے اس کی ڈریسنگ

ٹیبل بھری ہوئی تھی۔ کپڑے وہ مہنگے ٹیلر سے سلواتی تھی جس کی فٹنگ اور سلائی کمال کی تھی۔ بالوں کو دھونے کے لیے وہ امپورٹڈ شیمپو اور کنڈیشنر استعمال کرتی۔ خود کو اتنی توجہ دینے کے بعد وہ خود بھی قابل توجہ نظر آتی تھی۔

پوش علاقے میں قیام پذیر ہونے کے بعد خود بخود ہی اس میں اسٹائل بھی آ گیا تھا۔ عمر کے ساتھ شادی کے بعد اس کی توجہ خود پر سے کم ہو گئی تھی۔ لاہور میں اسے اچھے بیوٹی پارلرز کا پتا تھا۔ راستوں سے آگاہی تھی۔ مہینے میں ایک بار وہ لازمی پارلر جاتی۔ بالوں کی کٹنگ، ہیر ماسک، بلیچنگ، مینی کیور پیڈی کیور، اسکن ماسک، ویکسنگ اس کے ماہانہ معمولات میں شامل تھی۔ عمر شادی کے بعد اسے اسلام آباد لے آیا تھا۔ وہ پارلر کا نام تک ہی بھول گئی تھی۔ خود وہ صبح ناشتا کر کے آفس کے لیے نکلتا تو واپسی رات کو ہی ہوتی۔ شادی کے بعد ماہ نور کی جلد رف اور ڈل ہو گئی تھی۔ حالانکہ آج وہ مہنگے پارلر سے میک اپ کروا کے آئی تھی۔ پھر بھی عاشر کی دلہن کے سامنے اپنا آپ اسے پھیکا پھیکا سا ہی لگ رہا تھا۔

"امی! عاشر کی دلہن کتنی پیاری لگ رہی ہے۔" ماہ نور کے لہجے میں شاید رشک ہی تھا یا متاثر ہو جانے والی کیفیت۔ کیونکہ جب اس نے عاشر کے ساتھ منگنی توڑی تھی تو اس کا خیال تھا کہ وہ عاشر کی زندگی میں نہ آئی تو عاشر کو ماہ نور جیسی لڑکی ملنا ناممکن ہی تھا۔ مگر افراح تو نہ صرف فیملی بلکہ وہ خود بھی اعلا تعلیم یافتہ تھی۔ ایم اے [illegible] تھی۔ جبکہ ماہ نور نے تھرڈ ڈویژن میں بہت مشکل سے ماسٹر کیا تھا۔ تھرڈ کلاس میں ماسٹرز ڈگری لینے کے باوجود اسے بے انتہا غرور تھا کیونکہ عاشر صرف گریجویٹ تھا۔ اس کے لیے قطعی طور پہ نا موزوں اور بے جوڑ۔ وہی گریجویٹ عاشر آج افراح کے ساتھ دولہا کے روپ میں بیٹھا تھا۔

"ارے سب میک اپ کا کمال ہے۔ میک اپ اترے تو دیکھنا۔" رافعہ نے بیٹی کے ساتھ ساتھ اپنے دل کو بھی تسلی دی تھی۔

ماہ نور کے معاملے میں ان کا کام اب صرف تسلی دلاسوں سے ہی چل رہا تھا۔ طارق اور وہ دونوں عمر کی والدہ کے پاس گئے تھے۔ اتفاق سے عمر وہیں پہ تھا۔ ماہ نور کے زیورات اور دیگر چیزوں کے متعلق جب انہوں نے استفسار کیا تو عمر چھوٹتے ہی اکھڑ گیا کہ یہ اس پہ سراسر الزام ہے۔ اسے ماہ نور کے پیسے یا زیورات لینے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یعنی وہ صاف صاف ان چیزوں کی موجودگی سے ہی انکار کر رہا تھا۔ بقول اس کے ماہ نور نے اسے زیور اور ایک روپیہ تک نہیں دیا ہے۔ طارق نے بہت رسان سے ماہ نور کو دی جانے والی گاڑی کے بارے میں پوچھا تب بھی اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ اس صورت حال پہ بے چارے طارق حیران و پریشان تھے۔ عمر کسی صورت کچھ بھی ماننے کے لیے تیار نہ تھا جبکہ اس کی والدہ خاموش تماشائی بنی ہوئی تھیں۔ اب یہ معاملہ درمیان میں لٹکا ہوا تھا۔ عمر ہر چیز سے انکاری تھا۔ جبکہ ماہ نور بضد تھی کہ اس کی ہر چیز عمر کے پاس ہے اسے واپس دلائی جائے۔

عمر اسے واپس گھر لے جانے کے لیے بھی نہیں آیا۔ دونوں خاندانوں میں لڑائی چل رہی تھی۔ یہ معاملہ کسی کروٹ بیٹھتا نظر نہ آ رہا تھا۔ ماہ نور حاملہ تھی۔ ڈاکٹر نے اسے خوش رہنے کی ہدایت کی تھی اور یہی کام آج کل اسے مشکل لگ رہا تھا۔

سسرال میں کوئی سیدھے منہ بات کرنے کے لیے ہی تیار نہ تھا۔ اس کی عزیز ترین دوست اور نند ثمامہ بھی بدل گئی تھی۔ رہا عمر تو وہ اس کا فون تک سننے کا روادار نہ تھا۔ عجیب سے حالات ہو گئے تھے۔ عمر اسے جھٹلا رہا تھا کہ ماہ نور نے اپنے زیورات اور پیسوں کے حوالے سے اس پہ الزام لگایا ہے۔ اب اس نے دھمکی دی تھی کہ وہ عدالت کا رخ کرے گا۔ اس نے ماہ نور کو ہراساں کرنے کا پورا پروگرام بنایا ہوا تھا۔

ثمامہ اس کی آلہ کار تھی۔ ماہ نور یہ بات سمجھ ہی نہ پائی تھی۔ طارق صاحب اس کے لیے بے حد پریشان تھے۔ زیور پیسے کے ساتھ ساتھ ماہ نور کو دیا جانے والا گھر بھی ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ بلکہ اب الٹا بیٹی کا گھر

اجڑتا نظر آرہا تھا۔ کیونکہ عمر بہت غصے میں تھا۔ وہ مڑ کے ماہ نور کو لینے بھی نہیں آیا۔ نہ اس کے گھر میں سے کسی نے ماہ نور کی خیر خیریت پوچھی۔ تذبذب کے عالم میں وہ سب عاشر کی بارات میں آئے تھے۔ وہ اپنے کزنز سے اسی خلوص سے ملا تھا جو اس کا وتیرہ رہا تھا۔

اس کی جھجکی دراز پلکوں والی دلہن سب کی توجہ اپنی طرف مبذول کروا رہی تھی۔ وقت کتنی جلدی بدل گیا تھا۔ یہ خیال ماہ نور کو ابھی ابھی آیا تھا۔ رخصتی ہو رہی تھی۔ عاشر کی روتی دلہن سب سے مل کر پھولوں سے سجی کار میں بیٹھ رہی تھی۔ ماہ نور کو اپنی رخصتی کا منظر یاد آگیا۔

امی ابو بھائیوں بھابھیوں سے ملتے ہوئے اس کا ایک آنسو تک نہ نکلا تھا۔ کیونکہ اسے اپنے میک اپ کی فکر تھی۔ جبکہ افراح تو رو رو کر بے حال ہوتی جا رہی تھی۔ ماہ نور کو یقین تھا۔ میک اپ اترنے کے بعد جب عاشر اس کی شکل دیکھے گا تو ڈر جائے گا۔

اس کا جی چاہ رہا تھا وہ خالہ عالیہ کے گھر جائے۔ رخصتی کے بعد سب رسمیں دیکھے مگر اس کی طبیعت خراب ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ہال کی سیڑھیاں اترتے ہوئے وہ تیسری سیڑھی سے گری تو رہی سہی کسر پوری ہو گئی۔ اس کے پیٹ میں شدید درد ہونا شروع ہو گیا تھا۔

گھر جانے کے بجائے اسے اسپتال لے جایا گیا۔ جہاں فوری طور پہ ڈاکٹر نے چیک اپ کے بعد اس کا الٹرا ساؤنڈ کروایا۔ ماہ نور کا مس کیرج ہو چکا تھا۔ اسے فوری طور پہ ایڈمٹ کیا گیا۔ رافعہ اب اس کی سلامتی کی دعائیں مانگ رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

افراح کو رخصت کروانے کے بعد عالیہ اور امین صاحب عاشر کے ساتھ اسپتال آئے تھے۔ ماہ نور کے گرنے کا منظر بہت سوں نے دیکھا تھا۔ عالیہ سے رہا نہیں گیا۔ آخر کو ماہ نور ان کی بھانجی تھی۔ طارق پریشانی کے عالم میں بار بار عمر کو کال کر رہے تھے۔ اس نے احسان کرنے والے انداز میں ان سے بات کی۔ طارق نے اسے ماہ نور کے گرنے اور طبیعت کی خرابی کا بتایا تو اس نے رسمی افسوس کرنے کے بعد کال کاٹ دی۔ فون ان کے ہاتھ میں تھا اور وہ شاک کی حالت میں تھے۔ ماہ نور عمر کی بیوی تھی۔ ان دونوں کا بچہ دنیا میں آنے سے قبل ہی واپس اپنی دنیا میں لوٹ گیا تھا اور عمر کو ذرا بھی دکھ نہیں تھا۔ اس نے تو اپنی بیوی کی خیریت دریافت کرنا بھی گوارا نہیں کیا تھا۔ طارق صاحب کا دل چاہ رہا تھا ابھی جا کر عمر کا گریبان پکڑیں۔ ایک ہفتے سے ماہ نور میکے میں تھی۔ عمر نے اس سے خیریت پوچھی تھی نہ اسے لینے آیا تھا۔ بار بار بلانے پہ وہ اور بھی اکڑ گیا تھا۔ اب تو طارق نے ہر حال میں اس سے ملاقات کرنی تھی۔ چاہے اس کے لیے انہیں اسلام آباد ہی کیوں نہ جانا پڑے۔

ماہ نور کی خیریت پوچھنے کے بعد وہ تینوں گھر واپس جا رہے تھے۔ عاشر جب سے پاکستان آیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اب اسپتال میں ماہ نور کو دیکھا تھا۔ وہ اسپتال میں بے ہوش پڑی تھی اور بالکل ہی بدل گئی تھی۔ وہ تو پہچاننے میں ہی نہیں آرہی تھی۔ عاشر کو بے پناہ دکھ ہوا۔ اس نے بھی ماہ نور کا برا نہیں چاہا تھا۔ اسپتال میں طارق خالو اور رافعہ خالہ کی حالت بہت دگرگوں تھی۔ خالہ رافعہ دبی دبی زبان میں ماہ نور کے شوہر اور اس کے سسرال کو کوستے بددعائیں دے رہی تھیں۔ عالیہ بہن سے اس بارے میں پوچھ رہی تھیں۔ رافعہ کو بھی کوئی ہمدرد درکار تھا۔ عالیہ نے بہن کو گلے سے لگایا تھا۔ اس کے آنسو صاف کرکے حتی الامکان اس کا دکھ بانٹنے کی کوشش کی۔ حالانکہ وہ بیٹے کی شادی کرکے آج ہی بہو گھر میں لائی تھیں پر اس کے پیچھے پیچھے اسپتال میں آگئیں۔ ادھر امین اور عاشر طارق کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ انہیں تسلی دلاسے دینے کے بعد وہ گھر واپس گئے۔

"پتا نہیں ماہ نور کا کیا ہوگا۔ پھول سی بچی مرجھا کر رہ گئی ہے۔" عالیہ دکھ سے بولیں۔

"عاشر بیٹا! جلدی گھر پہنچنے کی کرو' افراح کیا سوچ رہی ہوگی کہ ہم تینوں اسے چھوڑ کر کہاں غائب ہو گئے ہیں۔" امین صاحب نے عالیہ کی بات کاٹی تھی۔ عاشر نے اسپیڈ بڑھا دی تھی۔

افراح کے پاس فری بھابھی اور خاندان کی دیگر عورتیں موجود تھیں۔ ان کے آنے پہ سب اس کے پاس سے اٹھ گئیں۔

عاشر نے دھیمی آواز میں اسے سلام کیا تھا۔ جواب بھی اسے دھیمی آواز میں ملا تھا۔ عاشر نے اس کی تعریف کی تھی۔ منہ دکھائی میں سونے کا لاکٹ چین کے ساتھ پہنایا تھا۔ ساتھ اپنی اور ماہ نور کی منگنی ٹوٹنے کا احوال بھی کہہ سنایا۔

"افراح! میں اپنی نئی زندگی کا آغاز ماضی کے سایوں کے ساتھ نہیں کرنا چاہتا۔ ایمان دار آدمی ہوں' اس لیے تمہیں ماضی کی اس حقیقت سے روشناس کروا رہا ہوں۔ ماہ نور کا اور میرا رشتہ کافی سال رہا' لیکن ہم ایک دوسرے کے نصیب میں نہیں تھے۔ میں تمہارے ساتھ ایمان داری اور محبت سے چلوں گا۔ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" عاشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر یقین دلانے والے انداز میں کہا۔

افراح کے دل میں "ماہ نور" نامی پھانس گڑ کر رہ گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

طارق صاحب اور ان کے دونوں بیٹے عمر کی امی کے گھر میں تھے۔ عمر بھی وہیں تھا۔ جب طارق صاحب نے کال کرکے اسے بتایا کہ میں تم سے ملنے اسلام آباد آرہا ہوں' تو اس نے فوراً" کہا میں لاہور میں ہوں۔ ماحول میں گرما گرمی تھی۔ کیونکہ طارق صاحب نے ایک بار پھر زیورات' نقد رقم اور مکان کے بارے میں بازپرس کی تھی۔

"انکل! میں پہلے بھی آپ سے کہہ چکا ہوں' مجھے نہیں معلوم' اپنی بیٹی سے پوچھیں' جانے اس نے کس کو یہ سب دے دیا۔ اب مجھے پھنسانے کی کوشش کر رہی ہے۔" عمر کا لہجہ کسی بھی ادب اور لحاظ سے خالی تھا۔

"میں اس سے پوچھ چکا ہوں برخوردار۔" طارق غصے پہ قابو پاکر بولے۔

"آپ اس سے پوچھ چکے ہیں تو یہاں کیا لینے آئے ہیں۔" وہ اسی ٹون میں بولا۔ ماہ نور کے دونوں بھائی اس پہ جھپٹے۔ طارق نے تینوں کو الگ کرنے کی کوشش کی۔ وہاں تو ہنگامہ مچ گیا تھا۔ آس پڑوس کے لوگ بھی جمع ہو گئے تھے۔ عمر کی ماں نے شور مچا کر سب کو جمع کر لیا تھا۔ عمر دھمکیاں دے رہا تھا۔

"تم لوگوں کے پاس کوئی ثبوت ہے تو بتاؤ۔ ورنہ میں تم لوگوں کی عزت کا فالودہ کر دوں گا۔" عمر جاہلانہ انداز میں دھمکیاں دے رہا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ اعلا تعلیم یافتہ بزنس مین ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے اس نے ماہ نور کو اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں۔

طارق صاحب کے گھرانے کی شرافت وہ کائیاں آدمی پہلے ہی تاڑ چکا تھا۔ ایسے لوگ ہی تو اس کا شکار بنتے تھے جو اپنی عزت کے خوف سے قانونی چارہ جوئی بھی نہ کر سکیں۔ اس کی بہن ثمامہ نے اپنی کلاس فیلو ماہ نور کی دولت مندی کے بے پناہ قصے سنا کر اسے متاثر کر دیا تھا۔ ماہ نور کے گھر تک پہنچنے اور پھر رشتہ مانگنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی انہیں۔

عمر پہلے بھی دوبار ایسے کر چکا تھا۔ ماہ نور کی فیملی ان کا تیسرا شکار تھی۔ تب ہی تو کسی بدمزگی سے بچنے کے لیے عمر اسلام آباد چلا گیا تھا۔ جبکہ ماہ نور کے گھر والوں کو کہانی سنائی گئی تھی کہ وہ وہاں بزنس کر رہا ہے۔ حالانکہ اس میں کوئی حقیقت نہیں تھی۔ وہ وہاں کرائے پہ گھر لے کر رہ رہا تھا۔ ماہ نور کو مطمئن کرنے اور اپنے جھوٹ پہ پردہ ڈالنے کے لیے وہ دکھاوے کے لیے ناشتا کرکے گھر سے نکل جاتا اور رات کو لوٹ آتا۔

ماہ نور اس لحاظ سے اس کے لیے آسان شکار ثابت ہوئی تھی کہ اس نے خود ہی ہر چیز عمر کے سپرد کر دی تھی۔ اسے ذرا بھی محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ ماہ نور کے گھر والے ان کی عارضی چمک دمک اور چار دن کی شو آف سے متاثر ہو گئے تھے۔ بہت آرام سے سب

کام ہو گیا تھا۔ ماہ نور کی کوکھ میں پلنے والا عمر کا بچہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ وہ اسے آسانی سے اپنی زندگی سے الگ کر سکتا تھا اور وہ ایسا کر چکا تھا۔

طارق صاحب اور ان کے دونوں بیٹوں کے کندھے اور سر جھکے ہوئے تھے۔ یہ بالکل وہی منظر تھا جب انہوں نے ماہ نور اور عاشر کا رشتہ ختم کرنے کا عندیہ دیا تھا۔ تب عالیہ اور امین کی بھی یہی حالت ہوئی تھی۔ انہیں بھی چپ لگ گئی تھی۔ اب وہی چپ ماہ نور کو بھی لگنے والی تھی۔

✿ ✿ ✿

"لعنت بھیجو ان کمینے کم ظرف لوگوں پہ میری بچی! وہ تمہارے قابل ہی نہیں تھے۔ شکر کرو جان چھوٹ گئی، آگے چل کر نہ جانے کیا کرتے تمہارے ساتھ۔" رافعہ روتی ماہ نور کو گلے سے لگا کر خاموش کروانے کی کوشش کر رہی تھیں۔ جب سے اسے طلاق ہوئی تھی تب سے رشتہ داروں میں سے روز ہی کوئی نہ کوئی چلا آتا۔ ہمدردی جتانے والے کم اور کچوکے لگانے والے طنز کرنے والے زیادہ تھے۔ یہاں سے اٹھ کر عالیہ کے گھر کا رخ کیا جاتا اور ان سے ہمدردی جتائی جاتی۔ انہوں نے سب کی طبیعت صاف کر دی تھی۔ ویسے سب ہی ایک بات کر رہے تھے کہ رافعہ اور طارق کو ان کی لالچ کی سزا ملی ہے۔ خوش حالی آئی روپے پیسے کی ریل پیل ہوئی تو انہوں نے نظریں ہی پھیر لیں اور امین کی معاشی حالت کو بنیاد بنا کر رشتہ ہی ختم کر ڈالا۔ یہ مکافات عمل تھا جو بھی ماہ نور کو اس اجڑی حالت میں دیکھتا ترس کھاتا، ہمدردی جتاتا۔

"امی! میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوا ہے لاکھوں کروڑوں لڑکیاں ہیں ان کے ساتھ کیوں نہیں ہوا۔" روتے ہوئے وہ اول فول بک رہی تھی۔

"یہ اللہ کی آزمائش ہے ماہ نور۔" رافعہ نے اسے سمجھانا چاہا۔

"اللہ کی آزمائش میرے لیے ہی رہ گئی تھی۔ وہ ذلیل، دھوکے باز، فراڈی آدمی میرا زیور، روپے پیسے، فلیٹ سب کچھ اپنے نام کروا کے مجھے کنگال کر گیا ہے۔" ماہ نور کا واویلا اتنی جلدی ختم ہونے والا نہیں تھا۔

✿ ✿ ✿

شادی کے بعد زندگی میں ٹھہراؤ آگیا تھا۔ عاشر اور افراح ایک دوسرے کے ساتھ آشنائی کی اولین منزل پہ تھے۔ افراح نے نئے سرے سے تمام گھر کی سیٹنگ کی تھی۔ چھوٹے سے لان میں خود محنت کی تھی اور وہاں مزید پھولوں کے پودے لگائے تھے۔ عالیہ کے بغیر اس نے گھر کے کام سنبھال لیے تھے۔ عاشر نے نرمی سے اسے اسکول میں پڑھانے سے منع کر دیا تھا۔

"میں تمہاری تمام ذمہ داریاں بخوبی اٹھا سکتا ہوں۔ اس کے علاوہ تمہیں جو بھی چاہیے ہو مجھے بتاؤ۔"

"بتاؤں گی۔" افراح کے لہجے میں خوشی تھی۔ زندگی اپنے نئے مفہوم کے ساتھ اس کے سامنے آئی تھی۔ جہاں صرف خوشی اور سکون تھا۔ عاشر بے پناہ اچھا شریک سفر ثابت ہوا تھا۔ نرم مہذب اور دھیمے مزاج کا مالک۔ افراح جو بھی کہتی جھٹ مان لیتا اس کی کسی بات سے انکار کرنا اس نے جیسے سیکھا ہی نہیں تھا۔ شادی کے بعد صرف چند ہفتے میں ہی افراح اس سے شدید محبت کرنے لگی تھی۔ ایسے لگتا تھا عاشر کی محبت جانے کب سے اس کی رگوں میں خون کے ساتھ رواں دواں ہے۔ عاشر نے خود اپنی زبان سے کبھی اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ حالانکہ وہ افراح کا خیال رکھتا، جو وہ پکاتی کھا لیتا۔ رات کو اگر وہ جلدی سو جاتی تو عاشر اس کی نیند خراب ہونے کے ڈر سے دروازہ بھی دھیرے سے بند کرتا، لائٹ بھی نہ جلاتا۔

وہ جب اکیلی ہوتی تو عاشر اور ماہ نور کے بارے میں سوچتی۔ اتنے سال ان کی منگنی رہی تھی۔ یقیناً" قلبی تعلق بھی رہا ہوگا۔ (کیا جانے اب بھی ہو) وہ اندازے لگاتی۔ بیاہ کر سسرال میں آتے ہی عاشر کے رشتہ داروں کی زبانی اس نے ان دونوں کی دوستی اور بے تکلفی کے بارے میں بہت کچھ جان لیا تھا۔ عالیہ

بتاتی تھیں کہ عاشر بہت ہنس مکھ اور زندہ دل تھا پر اس کے سامنے تو وہ اونچی آواز میں ہنستا بھی نہیں تھا۔ رافعہ خالہ نے اس کی اور عاشر کی دعوت کی تھی۔ وہ پہلی بار اس کے ساتھ گئی تھی۔ ماہ نور سے اس کی پہلی بار آشنائی ہوئی تھی۔ انہوں نے ایک ٹیبل پہ اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھایا تھا۔ ماہ نور کی تمام تر توجہ عاشر کی سمت تھی۔ اس کا ہنسنا مسکرانا عاشر کو خاص نگاہ سے دیکھنا افراح کو ڈسٹرب کر رہا تھا۔

"عاشر بیٹا! کبھی کبھی چکر لگایا کرو۔ تمہارے آنے سے ماہ نور بہت خوش ہوتی ہے۔ ورنہ تو کمرے سے ہی نہیں نکلتی ہے۔" رافعہ خالہ لگاوٹ سے بولیں۔ عاشر نے سر ہلایا۔ پتا نہیں اس نے کس بات پہ اثبات میں سر ہلایا تھا۔

واپسی میں افراح بالکل خاموش تھی۔ عاشر بھی خاموش تھا۔ دونوں اپنی اپنی جگہ کچھ سوچ رہے تھے۔ عاشر نے ایک، دو بار اس کی سمت دیکھا پر وہ اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔

عاشر نے گاڑی پورچ میں گاڑی روکی تو وہ اس کی طرف دیکھے بغیر اندر آگئی۔ عاشر گاڑی لاک کر کے اندر آیا تو وہ باتھ روم میں تھی اور پانی گرنے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے شوز اور جرابیں اتاریں۔ الماری کھول کر اس نے ہلکی سی ہاف شرٹ نکالی۔ خالہ کے گھر سے ان کی واپسی کافی دیر سے ہوئی تھی۔ وہ جیسے ہی اٹھنے کا قصد کرتا ماہ نور روک لیتی۔ وہ گھر آئے تو عالیہ اور امین دونوں سو چکے تھے۔ وہ اضافی چابی سے گیٹ کھول کر اندر داخل ہوا تھا۔

افراح کا کھلا چہرا ہاتھ سے تھپ تھپاتی باتھ روم سے نکلی تو عاشر کپڑے بیڈ پہ رکھے انتظار میں تھا۔ افراح نے دوپٹہ اتار کر دوسری چادر اوڑھی اور مصلیٰ بچھا کر نماز پڑھنے کھڑی ہو گئی۔

اس کے نماز ختم کرنے سے پہلے ہی عاشر فریش ہو کر چینج کر کے بیڈ پہ لیٹ چکا تھا۔ اس نے نماز سے فارغ ہو کر چادر اتار کر دوسرا دوپٹا اوڑھا۔ عاشر اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ نظریں چراتی تکیہ سیٹ کر کے لیٹ گئی۔ عاشر اسی کی طرف متوجہ تھا۔ اس نے آنکھیں موند لیں۔ وہ اس کے اگلے رد عمل کا انتظار کر رہی تھی۔

"تھک گئی ہو نا۔" عاشر نے اپنی انگلیاں اس کے بالوں میں پھنسا دی تھیں۔ وہ اسے بچوں کی طرح تھپک رہا تھا۔ کوئی جواب نہ ملنے پہ وہ سمجھا کہ افراح سچ میں سو گئی ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر بیڈ لیمپ آف کر دیا تھا۔

وہ عاشر کے دائیں بازو پہ سر رکھے لیٹی تھی جبکہ بائیں بازو عاشر نے اس کے اوپر رکھا ہوا تھا۔ وہ محفوظ تھی۔ نیم اندھیرے میں اس نے عاشر کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔ وہ گہری نیند میں تھا۔ افراح نے بھی آنکھیں موند کر سونے کی کوشش کی لیکن نیند نہیں آرہی تھی۔ اس نے ہلکے سے عاشر کا بازو اپنے اوپر سے ہٹایا اور بیڈ سے اتری۔

پانچ منٹ بعد وضو کر کے وہ رب کے آگے سجدہ ریز تھی۔ یہ اس کی شروع سے عادت تھی۔ جب بہت زیادہ پریشان ہوتی تو تہجد کی نماز پڑھ کر اللہ کے آگے گریہ و زاری کرتی۔ ابھی بھی اس کے دل کو بے پناہ سکون ملا تھا۔ عاشر کی آنکھ اچانک کھلی تھی کوئی عجیب سا احساس ہوا تھا۔ اس کا بائیں پہلو خالی تھا۔ عاشر نے بیڈ لیمپ آن کیا تو وہ کونے میں مصلے پہ سجدہ ریز تھی۔ اس نے لیمپ فوراً" آف کر دیا کیونکہ افراح نے بیڈ روم کی کھڑکی کھول دی تھی۔ چاندنی میں سب کچھ واضح تھا۔ وہ رازداری اور خاموشی سے اٹھی تھی۔ عاشر خلل نہیں ڈالنا چاہتا تھا اس لیے اس نے فوراً" لائٹ آف کی تھی۔

✿ ✿ ✿

عاشر نے افراح کی کتابوں کے کارٹن ڈرائنگ روم میں رکھے۔ وہ خود ہی تھوڑی تھوڑی کتابیں لے جا کر وہاں بک شیلف کے پاس رکھ رہی تھی۔ عاشر نے دیکھا تو سب کارٹن ایک ایک کر کے وہاں رکھ دیے۔ اس کے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

عاشر نے کارٹن سے ایک ایک کر کے کتابیں نکالنی شروع کیں۔ وہ کتابوں کے عنوان اور رائٹرز کے نام پڑھ رہا تھا۔ "سڈنی شیلڈن' ارل اسٹینلے گارڈنر' مائیکل شولوخوف' اشفاق احمد' ناصر کاظمی' جون گرین' ابن انشا۔ بہت ورائٹی ہے تمہارے ذوق میں۔" عاشر اس کے ساتھ مل کر کتابیں الماری میں سجا رہا تھا۔

"ہاں مجھے بکس پڑھنا بہت پسند ہے۔ پتا ہے میں اپنی سب فرینڈز کو بکس گفٹ کرتی ہوں۔" وہ خوشی سے بتا رہی تھی۔ "آپ کو بھی کتابیں پڑھنا پسند ہیں؟"

"ہاں کبھی کبھی ٹائم ملے تو پڑھ لیتا ہوں۔ لیکن اب کوشش کروں گا کہ تمہاری طرح میں بھی پڑھوں اور بکس بھی خریدوں۔" عاشر نے مسکراہٹ دانتوں تلے دبالی تھی۔

"کیوں؟" افراح کی سوالیہ حیران نگاہیں اس کی طرف اٹھیں۔

"کیونکہ تمہیں جو پسند ہیں۔" عاشر کے اس جواب سے اسے بے پناہ خوشی ہوئی تھی کیونکہ اس کا پورا چہرا آنکھوں سمیت چمک اٹھا تھا۔

ہاں سیکھا میں نے جینا جینا
کیسے جینا جینا' ہاں سیکھا
میں نے جینا میرے ہمدم

کتابیں رکھتے ہوئے وہ بے خیالی میں افراح کے سامنے گنگنا رہا تھا۔ وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر اس کی طرف متوجہ تھی۔

"اچھی آواز ہے میری؟" عاشر نے اچانک پوچھا تو وہ گڑبڑا گئی اور ریک میں رکھی کتابیں' پھر سے ٹھیک کرنے لگی۔

✿ ✿ ✿

رافعہ خالہ کا فون عاشر کے سیل نمبر پہ آیا تھا۔ انہوں نے رات کا کھانا اسے اپنے گھر کھانے کی دعوت دی تھی۔ جانے اس کے جی میں کیا سمائی اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور کسی کو بتائے بغیر خالہ کی طرف آگیا۔

ماہ نور جیسے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ اسے دیکھ کر پھول کی طرح کھل اٹھی۔

"دیکھو کیا حال ہو گیا ہے میری بچی کا۔" رافعہ خالہ نے عاشر کو دیکھتے ہی دہائی دی۔ "اسے تم ہی سمجھاؤ۔ وقت اپنے کمرے میں گھسی رہتی ہے' نہ ہنستی ہے' نہ بولتی ہے۔ میں چائے بنواتی ہوں تمہارے لیے' پھر کھانا اکٹھے کھائیں گے۔" خالہ اٹھ کر کچن کی طرف جا چکی تھیں۔

"عاشر! تم تو بالکل اجنبی بن گئے ہو۔ میں شرعی عذر کی وجہ سے فی الحال تمہارے گھر نہیں آسکتی' لیکن تم تو آسکتے ہو نا۔" وہ شکوہ کناں لہجے میں بولی۔ اس کا اشارہ عدت کی جانب تھا۔ کچھ لمحے خاموشی کی نذر ہوئے۔ خالہ واپس آگئی تھیں۔ گلاس ونڈو سے باہر بادل گرج رہے تھے۔ ایسا لگ رہا تھا ابھی بارش شروع ہو جائے گی۔

"اچھا خالہ! میں چلتا ہوں' ایک ضروری کام یاد آگیا ہے۔" اس نے ٹیبل سے اپنا اسمارٹ فون اور کی چین اٹھائی۔ ماہ نور اور خالہ ہکا بکا اسے دیکھنے لگیں۔

"ابھی چائے بن رہی ہے' میں نے تمہاری پسند کی ڈشز تیار کروائی ہیں۔ ایسے نہیں جانے دوں گی۔" خالہ نے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"خالہ! چائے اور کھانا ادھار رہا' پھر سہی۔" وہ ان کے روکنے کے باوجود بھی نہیں رکا۔

وہ گاڑی میں آکر بیٹھا ہی تھا کہ اس کے سیل فون کی میسج ٹیون بجی۔ بادل ہنوز زور و شور سے گرج رہے تھے۔ عاشر نے میسج اوپن کیا۔

کانوں سے ہینڈز فری اتار دو
اور کھڑکی کی بانہیں کھول دو
سماعت کو بھی تو بھیگ جانے دو
اور سنو۔
ہوا کیسے ادھر سے ادھر
اور ادھر سے ادھر سڑکوں
پہ سیٹیاں بجاتی دوڑی بھاگتی ہے
فطرت کیسے آسمانوں کے گیت
زمین پہ گنگناتی ہے

افراح کی طرف سے میسج تھا اور پہ بارش لکھا ہوا تھا۔ اسے ہنسی آگئی۔ عاشر نے گاڑی گھر کی طرف جانے والی سڑک پہ موڑ لی۔ بارش کی بوندیں اس کی گاڑی کو بھگو چکی تھیں۔ گھر واپسی پہ افراح اسے لان میں ملی۔ بارش کی بوندوں کو وہ اپنی ہتھیلی میں سمونے کی ناکام کوشش کر رہی تھی۔ اس کوشش میں وہ خود بھیگ چکی تھی۔ عاشر کو دیکھ کر وہ اس کی طرف آئی۔

"کہاں تھے آپ؟ بغیر بتائے کیوں گئے آپ۔ اتنا اچھا موسم ہے' میں پکوڑے بنا رہی ہوں۔ آپ چلیں' میں چائے کے ساتھ آتی ہوں۔" وہ اپنا گیلا دوپٹا جھٹکتے ہوئے بولی۔ نہ جانے کیوں اسے عاشر سے حجاب آ رہا تھا۔ وہ اس کے آگے کھڑا تھا۔ بارش کی بوندیں عاشر کے بالوں کو بھگو چکی تھیں۔

"آپ بھیگ رہے ہیں؟" افراح نے توجہ دلائی۔

"تم بھی تو بھیگ رہی ہو۔" وہ برجستہ بولا۔

"مجھے تو بارش میں بھیگنا بہت پسند ہے۔ یہ کیا کہ بارش کو کھڑکی اور دریچوں سے دیکھو۔ میں بارش کو محسوس کرتی ہوں روح کی گہرائیوں سے۔" وہ جذب کے عالم میں بول رہی تھی۔ پھر عاشر کی نظروں کے ارتکاز کو محسوس کر کے جھینپ گئی۔

"میں بھی بارش کو روح کی گہرائیوں سے محسوس کرنا چاہتا ہوں۔" عاشر نے اپنی ہتھیلی سامنے آسمان کے نیچے پھیلا دی۔

"اچھا ابھی چائے اور پکوڑے بنانے جا رہی ہوں۔ ویسے آپ گئے کہاں تھے اچانک؟" وہ اسے آگے سے ہٹا کر مڑی تو جانے کیا خیال آیا۔

"رافعہ خالہ کی طرف گیا تھا اور چائے بناؤ جلدی' میں آ رہا ہوں۔" عاشر کے جواب نے افراح کے قدموں کی رفتار سست کر دی تھی۔

عاشر کپڑے تبدیل کر کے اس کے پیچھے باورچی خانے میں ہی آگیا۔ عالیہ اور امین چھوٹے چچا کی طرف گئے ہوئے تھے۔ ان کے پوتے کی طبیعت خراب تھی۔ عاشر گھر پہ نہیں تھا' وہ ٹیکسی سے گئے تھے۔ عاشر اسٹول کھینچ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ چائے دم پہ تھی اور وہ ایک بار کے پکوڑے پلیٹ میں نکال چکی تھی۔

"آپ کھائیں' میں اور بنا رہی ہوں۔" افراح نے اس کے سامنے پکوڑوں کی پلیٹ' کیچپ اور چٹنی کے لوازمات سمیت رکھی۔

"تم بنالو' میں پھر کھاؤں گا۔" عاشر نے پلیٹ سرکا دی۔ افراح کی آنکھوں کے گوشے بھیگے بھیگے سے تھے۔

"آؤ سٹنگ روم میں بیٹھ کر چائے پیتے ہیں۔" وہ پکوڑے تل کر فارغ ہوئی تھی' عاشر نے ٹرے خود ہی اٹھائی۔ کھلی کھڑکی سے باہر برستی بارش صاف نظر آ رہی تھی۔ سرمئی دھند ہر سو چھائی ہوئی تھی۔ عاشر اس کے سامنے بیٹھا چائے کے ہلکے ہلکے گھونٹ بھر رہا تھا۔

"تم بہت اچھی چائے بناتی ہو۔" وہ تعریف کر رہا تھا' اسے خوشی نہیں ہوئی۔

"اور سنو!" وہ چائے کی خالی پیالی ٹرے میں رکھ کر اس کی طرف جھکا۔

"تم بالکل بارش جیسی ہو۔" عاشر نے اس کے بال دھیرے سے چھوئے۔

"چلو آؤ میرے ساتھ۔" عاشر نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کیا۔

"کہاں؟"

"جہاں لے جاؤں۔" گاڑی کی چابی اس کی پینٹ کی جیب میں تھی۔ اس نے افراح کو فرنٹ سیٹ پہ ساتھ بٹھایا۔ باہر بارش کی تیزی میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دونوں طرف کے شیشے کھلے تھے۔ بارش کی بوچھاڑ اندر آ رہی تھی اور سرد ہوا کے ساتھ مل کر جسم میں پھریری دوڑا رہی تھی۔

"آؤ بارش کو محسوس کرتے ہیں۔" عاشر نے اسپیڈ بڑھا دی تھی۔ آدھے گھنٹے سڑکوں پہ مٹرگشت کرنے کے بعد وہ دونوں چھوٹے چچا کی طرف گئے' جہاں عالیہ اور امین پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔

✿ ✿ ✿

حملو نے اپنے آفس کے لیے مناسب جگہ دیکھ کر بسم اللہ کردی تھی۔ وہ دونوں لیدر گڈز کا کاروبار ایک دوسرے کی شراکت میں شروع کرچکے تھے۔ پہلے دن جب وہ تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پہ پہنچا تو افراح گرما گرم ناشتا پہلے ہی لا کر رکھ چکی تھی۔ جب وہ گھر سے نکلنے لگا تو اس نے کچھ پڑھ کر عاشر کے سینے پہ پھونک ماری اور بند مٹھی اس کی طرف بڑھائی۔

"یہ کیا ہے؟" عاشر حیرانی سے ہاتھ میں دبے دس، بیس، پچاس اور سو کے نوٹوں کے رول کو دیکھ رہا تھا۔

"آپ گاڑی میں جاتے اور آتے ہیں راستے میں چوراہوں اور اشاروں پہ بہت سے مانگنے والے ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک ایک دیتے جانا آپ۔ میں خود اسکول جاتی تھی تو پہلے جمع نہیں ہوتے تھے۔ شادی کے بعد میرا گھر سے نکلنا ہی نہیں ہوا تو یہ قرض چڑھ گیا ہے مجھ پہ۔" وہ بہت ہی آہستہ آواز میں بول رہی تھی، جیسے کوئی سن لے گا۔ عاشر کو ایک بار پھر حیرانی نے آ لیا۔ کیا تھی یہ لڑکی۔ وہ سمجھ ہی نہیں پایا تھا۔ راستے میں جہاں جہاں گاڑی رکتی چاروں طرف سے مانگنے والوں کی یلغار ہو جاتی۔ عاشر نے چپکے سے اپنا بٹوا کھول کر رکھے پیسے نکال کر افراح کے دیے پیسوں میں شامل کر دیے۔ جب اس نے پہلا نوٹ دس گیارہ سال کے معصوم سے بچے کو دیا جو آس بھری نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا تو وہ بہت خوش ہوا۔ عاشر بھی اپنا قرض اتار رہا تھا۔ دل کو جو طمانیت اور سرور آج ملا تھا اس سے پہلے ایسا احساس اسے کبھی نہیں ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

عاشر اپنی سب جمع پونجی کاروبار میں جھونک چکا تھا، اب اس کے پاس کچھ بھی نہیں تھا اور اچھے خاصے پیسوں کی ضرورت تھی۔ وہ قدرے پریشان تھا۔ رات وہ بستر پہ لیٹا ہوا رقم کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔ جب افراح نے اس کا بازو ہلایا۔

"کیا بات ہے، آپ کیوں پریشان ہیں؟" وہ بلا کی ذہین تھی۔ اس کا چہرہ دیکھتے ہی تاڑ گئی تھی کہ وہ اپ سیٹ ہے۔

"میں نے سب کچھ کاروبار میں انویسٹ کر دیا ہے۔ ابھی بھی مزید پیسوں کی ضرورت ہے۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں؟" افراح کا لہجہ اتنا مہربان تھا کہ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے بتانے لگا۔ وہ الماری کی طرف گئی۔ کھٹ پٹ کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عاشر دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے لیٹا تھا۔ پتا نہیں وہ کیا کر رہی تھی۔ عاشر نے اٹھ کر نہیں دیکھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے پاس آئی۔ ہاتھوں میں پوٹلی دبی تھی۔

"یہ لیں، ہو سکتا ہے اس سے آپ کا کام چل جائے۔" افراح نے پوٹلی میں بندھے ہوئے زیورات اس کی طرف بڑھائے۔ وہ سمجھ چکا تھا پر اس نے ہاتھ آگے نہیں کیے۔

"میرے بینک اکاؤنٹ میں بھی کچھ پیسے پڑے ہیں، حق حلال کی کمائی ہے۔ دو لاکھ سے اوپر ہی ہوں گے۔"

"واہ تم تو بہت امیر ہو۔" عاشر کا انداز وہی تھا۔

"ہاں الحمدللہ میں بہت سوں سے اچھے حال میں ہوں اور امیر ترین ہوں۔" افراح کے لہجے میں شکر گزاری کا جذبہ نمایاں تھا۔

"تم یہ زیور مجھے کیوں دے رہی ہو کیونکہ میں نے سنا ہے، سونا عورتوں کو بہت عزیز ہوتا ہے۔" عاشر کسی کھوج میں تھا۔

"آپ کو ضرورت ہے نا پیسوں کی، اس لیے دے رہی ہوں۔ بعد میں اور بنوا دیجیے گا۔"

"لیکن زیور کے ساتھ عورت کی وابستگی ضرب المثل ہے۔" وہ اصرار کر رہا تھا۔

"مجھے آپ سے زیادہ کچھ بھی عزیز نہیں ہے۔" افراح کا جواب واضح تھا۔ عجیب سی خوشی عاشر کے رگ و پے میں دوڑنے لگی تھی۔ وہ اس خوشی اس جذبے کو نام دینے سے قاصر تھا۔

"اللہ نے چاہا تو کوئی نہ کوئی سبب بنا دے گا۔ تم اپنا زیور سنبھالو۔ ویسے میں تمہاری آفر کی قدر کرتا ہوں۔" عاشر مسکرا رہا تھا۔ افراح مایوسی سے سب زیور دوبارہ ڈبوں میں رکھ رہی تھی کیونکہ اسے اچھی طرح علم تھا، عاشر کا انکار اقرار میں نہیں بدلے گا۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور کی عدت ختم ہو چکی تھی۔ وہ رافعہ کے ساتھ ان کے گھر آئی ہوئی تھی۔ عاشر آفس میں تھا۔ عالیہ نے فون کر کے اسے بھی بلوا لیا تھا۔ افراح کچن میں مہمانوں کی خاطر مدارات کا انتظام کر رہی تھی۔ ظہر کی نماز پڑھ کر اس نے کھانے کی ٹیبل سجائی اور سب کو بلایا۔ عاشر کے ساتھ رکھی کرسی پہ ماہ نور بیٹھی تھی، جبکہ افراح خود عالیہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔ افراح ڈش اٹھا اٹھا کر سب کی پلیٹ میں کچھ نہ کچھ ڈال رہی تھی۔ ماہ نور نے ایک نظر اس کی طرف دیکھا۔ افراح نے نماز کے اسٹائل میں دوپٹا اوڑھا ہوا تھا۔ اس کا چہرا دھلا دھلایا کسی قسم کے میک اپ کے بغیر تازگی بھرا تاثر دے رہا تھا۔ وہ سادگی و پرکاری کی مثال تھی، جیتی جاگتی۔

کھانے کے بعد عاشر واش بیسن پہ ہاتھ دھو رہا تھا، وہ تولیہ لیے اس کے پاس کھڑی تھی۔ عاشر کے کندھے سے اس کا سر تھوڑا نیچے تھا لیکن اس کے پاس کھڑی وہ اس کا پرفیکٹ میچ نظر آ رہی تھی۔ ماہ نور حسد کی تیز پھوار میں بھیگی تھی۔ اس نے مایوس نگاہوں سے رافعہ کی طرف دیکھا۔ وہاں امید کا پیغام واضح تھا۔

کھانے کے بعد افراح چائے بنانے باورچی خانے میں گئی تو ماہ نور، عاشر کے ساتھ بیٹھ گئی۔ وہ پرانے انداز میں اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"پرسوں میری برتھ ڈے ہے، تم ضرور آنا، ورنہ میں سیلیبریٹ نہیں کروں گی۔" وہ حق جتا رہی تھی۔

"کیوں؟"

"کیونکہ میں نے صرف تمہیں ہی انوائیٹ کیا ہے۔"

"اوکے میں ضرور آؤں گا۔" عاشر نے وعدہ کیا۔

عاشر کے سیل فون پہ ماہ نور کی کالز اور میسجز کی تعداد بڑھنے لگی تھی۔ ہر گھنٹے بعد وہ اسے کال کرتی کہ کہاں ہو؟ کیا کر رہے ہو؟ تھوڑی دیر بعد اس کے میسج آتے۔ وہ رات لیٹا ہوتا تو ماہ نور کی کال آ جاتی۔ وہ آہستہ آواز میں بات کرتا۔ ایک لفظ بھی افراح کے پلے نہ پڑتا۔ ماہ نور روز اسے ملنے کے لیے بلاتی۔ کبھی کبھی وہ ٹائم نکال کر چلا جاتا۔ آج بھی ماہ نور نے اسے لانگ ڈرائیو پہ چلنے کو کہا تھا۔ وہ آفس سے جلدی اٹھ آیا تھا۔ خالہ نے گرم جوشی سے استقبال کیا تھا۔ ماہ نور تیار ہو کر اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

ماہ نور نے ایک آئس کریم پارلر سے اپنے فیورٹ فلیور کی آئس کریم کھائی۔ اس نے ڈھیروں باتیں کیں۔

"عاشر! میں بہت شرمندہ ہوں، اپنے گزرے کل کے فیصلے پہ۔ میں اپنے غلط فیصلے کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔"

"تم کیسے تلافی کرو گی؟" عاشر کے انداز میں دلچسپی تھی۔

"دیکھو میں مانتی ہوں اس وقت کچھ غلط ہوا تھا۔ امی، ابو کی وجہ سے میں پریشان ہو گئی تھی کیونکہ ہر والدین کی طرح ان کی خواہش تھی کہ میری شادی اچھے کھاتے پیتے گھر کے لڑکے کے ساتھ ہو۔ اس لیے انہوں نے منگنی توڑی تھی۔ میں کیا کرتی ان کے کہے کا مان رکھنا ضروری تھا۔ ورنہ میرے دل میں تم ہی تھے۔ مجھے آج بھی وہ سب باتیں یاد ہیں۔ مجھے سب پتا ہے تمہارے دل کی خبر ہے، آج بھی یہاں میں ہی ہوں۔"

ڈرائیو کرتے عاشر کے سینے پہ ماہ نور نے انگلی رکھی تھی۔ عاشر نے نہ انکار کیا نہ اقرار، اس کی ساری توجہ ڈرائیونگ کی طرف تھی۔ ماہ نور پرانی یادیں دہرا رہی تھی۔ ان کا گھنٹوں ایک دوسرے کے ساتھ بحث کرنا، ماہ نور کا ان کے گھر چکر لگانا۔ بھاگ بھاگ کر امی کی مدد کرنا۔ اسے سب یاد تھا۔ سوائے اس کے کہ عاشر کے ارمانوں کا خون کیسے ہوا تھا۔ اس کے خواب کیسے ٹوٹے تھے۔ وہ ٹوٹ کر پھر کیسے جڑا تھا۔ اسے سنبھالنے والے ہاتھ کس کے تھے۔ ماہ نور بالکل بے خبر تھی۔

☆ ☆ ☆

"ماہ نور! کیا کہتا ہے عاشر؟" رافعہ نے بے تابی سے پوچھا۔

"امی! ابھی تک تو اس نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔"

"اس کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ؟"

"امی! رویہ تو بہت اچھا ہے عاشر کا۔ لیکن ہم نے اچھا نہیں کیا اس کے ساتھ۔ کتنی جلدی کی تا منگنی توڑنے میں۔ آج عاشر کے پاس سب کچھ ہے۔" ماہ نور کو پچھتاوے مارے ڈالے جا رہے تھے۔

"میں عالیہ سے بات کروں گی۔ تمہاری خالہ بہت پیار کرتی ہیں تم سے۔ تمہارے ساتھ قسمت نے عجیب کھیل کھیلا ہے۔ ہمیں اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ میں امین بھائی سے بھی معافی مانگ لوں گی۔ پرانے رشتے پھر سے جڑنے کی امید رکھی جا سکتی ہے۔ مرد تو دو شادیاں بھی تو کرتے ہیں۔" رافعہ کا انداز بہت خود غرضانہ اور سنگ دلانہ تھا۔

"سچ امی! ایسا ممکن ہے؟" ماہ نور نے ان کے ہاتھ پکڑ لیے تھے۔

"ہاں ہاں عورت کے آنسوؤں اور میٹھے بول میں بہت بڑی طاقت ہوتی ہے۔ تم اپنا ہنر اور طاقت عاشر پہ آزماؤ۔ افراح کی طرف سے وہ خود ہی بے زار ہو جائے گا۔" رافعہ اسے سمجھا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

رافعہ دوپہر کھانے کے بعد سے عالیہ کے ساتھ کمرا بند کر کے بیٹھی تھیں۔ افراح بھی کمر سیدھی کرنے لیٹ گئی۔ سو کر اٹھی تو دھوپ ڈھل رہی تھی۔ اس نے کچن میں آ کر چائے کا پانی چولہے پہ رکھا اور خود عالیہ کو اٹھانے ان کے کمرے کی طرف آ گئی۔ ان کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا نیم وا تھا اور باتیں کرنے کی آواز باہر تک آ رہی تھی۔ وہ دونوں یہی سمجھ رہی تھیں کہ افراح سو رہی ہے۔ اس لیے بے فکری سے اونچی آواز میں مصروف گفتگو تھیں۔

"مرد کو چار شادیوں کا حق حاصل ہے۔ پھر ماہ نور تمہارا اپنا خون ہے۔ عاشر اور وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ کیا ہوا جو دونوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ افراح بھی ایک کونے میں پڑی رہے گی۔ میں ظالم نہیں ہوں جو اسے طلاق دلوانے کا مطالبہ کروں گی۔ پھر ماہ نور تمہاری اپنی ہے اور اپنا آخر کار اپنا ہی ہوتا ہے۔ خالہ سمجھ کر ساری عمر تمہاری خدمت کرے گی۔ مجبور ہو کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ میری بچی اجڑ گئی ہے۔ رحم کرو میری بچی پہ۔"

رافعہ کی آواز درد بھری آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی تھی۔ جواب میں عالیہ نے کیا کہا؟ افراح کو سنائی نہیں دیا۔ اس کے کان سائیں سائیں کر رہے تھے۔ اسے زور کا چکر آیا تھا۔ کھڑکی کے پٹ کو تھام نہ لیتی تو یقیناً گر جاتی۔ بے رحمی اور سنگ دلی کی انتہا کیا ہوتی ہے۔ آج جانا تھا اس نے۔ خود غرضی اور طوطا چشمی کیا ہوتی ہے۔ یہ عقدہ بھی آج کھلا تھا اس پہ۔ اور دل کی نازک رگیں کیسے ٹوٹتی ہیں۔ یہ حقیقت بھی آشکار ہو گئی تھی اس پہ۔

وہ ڈولتے لڑکھڑاتے قدموں سے واپس باورچی خانے میں آئی جہاں چولہے پہ چائے کا پانی کھول کھول کر سیاہ ہو رہا تھا۔ پانی کافی حد تک سوکھ گیا تھا۔ اس نے پتیلی اٹھا کر سنک کے نیچے رکھی اور نئی پتیلی میں پھر سے چائے کا پانی رکھا۔ آنکھوں پہ لگاتار ٹھنڈے پانی کے چھینٹے مارے تو سرخی کچھ کم ہوئی اور وہ اس قابل ہوئی کہ چائے کی ٹرے اندر لے جا سکے۔ ان دونوں کو چائے دے کر وہ لان میں بیٹھ گئی تھی۔ آج بہت دنوں بعد ابا پھر اسے یاد آ رہے تھے۔

رات عاشر گھر آیا تو وہ بیڈ روم بند کیے لیٹی ہوئی تھی۔ عالیہ نے اسے بتا دیا تھا کہ افراح کی طبیعت خراب ہے۔ وہ فوراً اس کے پاس آیا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں؟" عاشر کا ایک ہاتھ اس کے ماتھے پہ تھا۔ وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ وہ یک ٹک عاشر کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ سادہ و جاذب نظر چہرہ، یہ آنکھیں بھلا اس کے ساتھ کیسے دھوکا کر سکتی ہیں۔ کیا اس کے ساتھ محبت سے بتائے گئے پل جھوٹ تھے۔

http://readingcornerz.blogspot.com
READINGCORNER

کیا اس کی چاہتیں، وارفتگی، والہانہ پن فریب تھا۔ لیکن کیسی محبت، کیسی چاہت، کیسا والہانہ پن، کیونکہ عاشر نے شادی کے بعد سے آج تک ایک بار بھی اظہار محبت نہیں کیا تھا۔ وہی محبت کا تاج محل بنا کر پوجا کر رہی تھی۔ اس نے عاشر کی کزنز کی زبانی عاشر اور ماہ نور کی طوفانی محبتوں کے قصے سنے تھے، یہ قصے صرف اسے ہی خاص طور پر اس داستان کے لیے بڑھا چڑھا کر بیان کیے گئے تھے۔

"کچھ نہیں، بس ایسے ہی تھوڑی تھکن ہو گئی تھی۔" وہ پھیکے انداز میں مسکرائی اور اٹھ کر بیڈ سے اترنے کی کوشش کی، عاشر نے اسے روک دیا۔

"تم ریسٹ کرو، باہر جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ امی کھانا گرم کر رہی ہیں۔" وہ جان گیا تھا کہ وہ کیوں باہر جانا چاہ رہی ہے۔ افراح فرماں بردار بچے کی طرح چادر تان کر لیٹ گئی تھی۔

عاشر اس کے چادر میں چھپے ہلتے وجود کو دیکھ رہا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ کچھ دن سے اس کی یہی حالت تھی۔ اس کی آنکھیں روئی روئی نظر آتیں اور وہ اسے کھوئے کھوئے انداز میں دیکھتی جیسے آخری بار دیکھ رہی ہو۔ عاشر پہلے ہی بے حد الجھا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کے دوران امی نے اسے رافعہ خالہ کی آمد کے سبب کے بارے میں کھل کر بتایا تھا۔

☆ ☆ ☆

ماہ نور ان کے گھر رہنے کے لیے آ رہی تھی۔ عالیہ بہت خوش تھیں۔ افراح نے اپنے بیڈ روم کے برابر والا کمرا صاف کر کے تیار کر دیا تھا۔ عالیہ نے مختلف اشیا کی لسٹ امین صاحب کو بنا دی تھی۔ نئے سرے سے گوشت، سبزی سے فریج بھر گیا تھا۔ مختلف اقسام کے اچار، چٹنیاں، مربے، پاستا، میکرونی، کولڈ ڈرنک منگوا کر انہوں نے رکھ دی تھیں۔ عالیہ نے کچے قیمے کے کباب خود اپنے ہاتھ سے بنا کر فریز کیے تھے، کیونکہ ماہ نور کو پسند تھے۔

افراح خاموشی سے سب دیکھ رہی تھی۔ عالیہ آنٹی نے آج تک اس کے ساتھ ساس، بہو والا روایتی رویہ نہیں اپنایا تھا۔ ہمیشہ شفقت سے پیش آتیں، لیکن ابھی اسے لگ رہا تھا اس معاملے میں وہ اس کے ساتھ امتیازی سلوک کر رہی ہیں۔ ماہ نور کو خصوصی پروٹوکول دیا جا رہا تھا۔ امین صاحب ہوتے تھے، اکثر گھر سے باہر رہتے۔ اس لیے ان معاملات سے قریب قریب لاتعلق تھے۔ لیکن عاشر تو بے خبر نہیں تھا کہ خالہ پھر سے کیوں مہربان ہو رہی ہیں۔ وہی ماہ نور کیوں پروانے کی طرح اس کے گرد چکرانے لگی ہے۔ وہ کس مقصد کے لیے ان کے گھر رہنے آ رہی تھی، وہ اچھی طرح جانتا تھا۔

سب کام ختم کر کے افراح باہر لان میں بیٹھ گئی تھی۔ اس کے لگائے گئے پودوں میں ننھی ننھی شاخیں اور پتے سر ابھار رہے تھے۔ درخت سبزے کی چادر پھر سے اوڑھنے کی تیاری کر رہے تھے۔ موسم بدل رہا تھا، بہار کی آمد آمد تھی۔ آسمان پہ بادلوں کے جھنڈ مسلسل تین دن سے جمع ہو رہے تھے، پر برس نہیں رہے تھے۔ بادلوں اور دھوپ کی آنکھ مچولی سے اس کا دل گھبرانے لگا تھا، حالانکہ ابر آلود موسم، چھم چھم برستی گھٹا اس کی کمزوری تھی۔ اب یہ ہی موسم وحشت پہ اکسانے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

ڈرائیور اس کا بیگ اور چھوٹا سا سوٹ کیس گاڑی میں رکھ چکا تھا۔ رافعہ نے کامیابی کے احساس سے چمکتی آنکھوں سمیت اسے خدا حافظ کہا تھا۔ ماہ نور اپنی خالہ کے گھر رہنے جا رہی تھی۔ اسے عالیہ خالہ سے شروع سے ہی محبت تھی۔ وہ ایک کماؤ پوت بیٹے کی ماں تھیں۔ عاشر ذاتی گھر کا مالک تھا۔ اب تو اس کا معاشرے میں ایک مقام تھا اور وہ ماہ نور کے معیار کے عین مطابق بھی ہو چکا تھا۔ تو دل میں سوئی محبت یا غرض ایک بار پھر انگڑائی لے کر بیدار ہو چکی تھی۔ اس نے رات ہی عاشر کو فون پہ بے تکلفانہ کھل کر کہا تھا۔

"میں تم سے جواب لینے آ رہی ہوں۔"

عدت کے بعد سے وہ عاشر کے ساتھ گھوم پھر رہی تھی۔ تقریباً" ہر تیسرے دن خالہ اسے فون کر کے اپنی طرف بلا لیتیں اور کھانا کھائے بغیر جانے ہی نہ دیتیں۔ خون کی محبت نے اب کہیں جا کر جوش مارا تھا جب عاشر اپنا کاروبار شروع کر چکا تھا۔ اب وہ ان کی بیٹی ماہ نور کو زندگی کی تمام سہولیات دے سکتا تھا۔ اب وہ پہلے والا بے روزگار نکما استاد جاوید کی ورکشاپ پہ معمولی معاوضہ لینے والا عاشر نہیں تھا۔ وہ اپنی ذاتی کمائی سے گھر بنا چکا تھا۔ کاروبار کر رہا تھا۔ اس کے پاس گاڑی تھی اور بیوی بھی تھی۔ لیکن بیوی کا کیا تھا۔ ایک بار ماہ نور کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی تو ماہ نور نے خود ہی افراح کا پتا صاف کروا دینا تھا۔ مسکین سی مرنجان مرنج لڑکی تھی۔ جسے سوائے نماز پڑھنے اور گھر کے کاموں کے کچھ آتا ہی نہیں تھا۔ ان کی ماہ نور جیسا ناز نخرا اس میں کہاں تھا۔ ماہ نور بڑے آرام سے افراح کو چاروں شانے چت کر سکتی تھی۔ رافعہ کو اپنی اور اپنی بیٹی کی کامیابی کا پورا یقین تھا۔ ماہ نور ہاتھ ہلاتی گاڑی میں بیٹھ گئی تھی۔ آسمان پہ بادل برسنے کی تیاری میں تھے۔ ماہ نور کو یہ موسم بہت پسند تھا۔ بارش انجوائے کرنے کے لیے اس کے پاس بہت سے پلان تھے۔ آج چھٹی تھی۔ عاشر نے سارا دن گھر پہ ہی ہونا تھا۔ ماہ نور نے اس کے ساتھ لانگ ڈرائیو پہ جانا تھا۔ محبت کی تجدید کرنی تھی۔ اپنے خیالوں میں مگن وہ مطلوبہ جگہ تک پہنچ گئی تھی۔ ڈرائیور ہارن دے رہا تھا۔ گیٹ کھل چکا تھا۔

☆ ☆

سلسلہ نہ ختم کرو
یہ ناطہ توڑ کے دیکھو
نظر پھر کچھ نہ آئے گا
محبت چھوڑ کے دیکھو
اذیت کیا ہے، اگر یہ جاننے کا شوق ہے تم کو
سب حسیں خواب بکھراؤ
اور توڑ کے دیکھو

ماہنامہ کرن
جون 2015 کا شمارہ شائع ہو گیا

- اداکارہ "مریم فاروق" سے شاہین رشید کی ملاقات
- اداکارہ "سوہائے علی ابڑو" کہتی ہیں "میری بھی سنیے"
- "آواز کی دنیا سے" اس ماہ مہمان ہیں "سوم کنگی"
- اس ماہ "شگفتہ شہزادی" کے "مقابل ہے آئینہ"
- "اک ساگر ہے زندگی" نفیسہ سعید کا ناول اپنے اختتام کی طرف
- "ردائے وفا" فرحین اظفر کا سلسلے وار ناول
- "میں گمان نہیں یقین ہوں" نبیلہ ابر راجہ کا مکمل ناول
- "اپنی تھکن مجھے دے دو" زرمین آرزو کا مکمل ناول
- "شاید" فائزہ افتخار کا مکمل ناولٹ
- "خالہ، سالا اور اوپر والا" فاخرہ گل کی دلچسپ مزاحیہ تحریر
- "موسم گل میرے دیس میں" حمیدہ ملک کا مکمل ناولٹ
- "بہار دسترس میں ہے" حیا بخاری کا مکمل ناولٹ
- بشریٰ احمد، عزہ خالد، نظیر فاطمہ، حمیرا نوشین اور آسیہ عارف کے افسانے اور مستقل سلسلے

اس شمارے کے ساتھ کرن کتاب
"ماہ رمضان کرن کے ساتھ"

اندیشے وسوسے اور وحشتیں بندھ جائیں گی اس میں
جو اس نے توڑا تھا تعلق اسے تم جوڑ کے دیکھو
اگر چھنا ہو اس کے غم
کر کیسے نہ بکھرے تو
کتاب زیست میں ورق محبت موڑ کے دیکھو

ماہ نور آرہی تھی۔ عالیہ آنٹی' عاشر خوش نظر آرہے تھے' امین انکل کے دل میں کیا تھا اسے خبر نہیں تھی۔ کل کے لنچ اور ڈنر کا مینیو عالیہ آنٹی نے اسے بتادیا تھا' ویسے بھی اتوار تھا۔ عاشر نے گھر پہ ہی ہونا تھا۔

اسے پتا تھا ماہ نور کیوں آرہی ہے۔ وہ اپنے سابقہ منگیتر اور محبت کو حاصل کرنے آرہی تھی۔ عاشر کے دل میں کیا تھا' وہ جان ہی نہیں پائی تھی۔

وہ سخت دل گرفتہ تھی۔ رات عاشر کے گھر آنے سے پہلے ہی اس نے اپنے کپڑوں کے تین' چار جوڑے اور کچھ پیسے الگ سے رکھ لیے تھے' اسے ماہ نور کے آنے سے پہلے یہاں سے چلے جانا تھا۔ اپنی ہار کا تماشا کم سے کم وہ ماہ نور کے سامنے برداشت نہیں کرسکتی تھی۔ پہلے اس کا دل چاہا آخری بار عاشر کے سامنے اپنا حال دل کھول کر رکھ دے۔ اس مقصد کے لیے اس نے دوبار قلم اٹھایا تھا' پھر ارادہ ملتوی کردیا۔ اپنے پندار اور خودداری کی توہین اسے گوارا نہیں تھی اور پھر جب بھیک میں کچھ نہ ملتا تو خالی دامن دیکھ کر اسے ہی دکھ ہوتا۔

رات وہ عاشر کی طرف سے کروٹ لے کر قدرے دور ہو کر سوئی۔ ایک دوبار اس نے افراح کو جگانے کی کوشش کی' لیکن پھر کوشش ترک کردی۔ وہ بہت پراسرار سی لگ رہی تھی۔ عاشر کو نیند ہی نہیں آرہی تھی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر آگیا اس کا رخ کتابوں کی سمت تھا۔ وہ کتاب نکال رہا تھا۔ جب اس کی نظر الماری میں کتابوں کے پیچھے رکھے گئے بیگ پہ پڑی۔ اس نے کھولا تو اندر افراح کے کپڑے اور پیسے پڑے تھے۔ وہ پلک جھپکتے ہی اس بیگ کے راز تک پہنچ گیا تھا۔ اس نے نکالی گئی کتاب واپس وہیں رکھ دی۔ باہر تیز ہوا چل رہی تھی۔ آسمان پہ بادل تھے۔ موسم بہار کی پہلی بارش متوقع تھی کیونکہ ہوا میں پانی سا بھاری پن تھا۔ عاشر بیگ لے کر واپس بیڈروم میں آیا اور نظر بچا کر ایک جگہ رکھ دیا۔ افراح آسانی سے نہیں ڈھونڈ سکتی تھی۔ عاشر کو نیند نہیں آرہی تھی۔ اس نے احتیاطاً ساڑھے پانچ بجے کا الارم لگادیا۔

افراح اپنے وقت پہ بیدار ہوئی۔ نماز اور دیگر معمولات سے فارغ ہو کر اس نے ناشتا تیار کرکے امین انکل' عالیہ آنٹی اور عاشر کو دیا۔ خود اس نے صرف چائے پی۔ ڈیڑھ دو گھنٹے میں اس نے سب کام بھی نمٹالیے۔ وہ اب تیار تھی۔ کتابوں کے پیچھے بیگ دیکھنے آئی تھی وہ ہوا تو ٹھٹکی۔ وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو عاشر کھڑکی کے پاس کھڑا لمحہ بہ لمحہ گہرے ہوتے بادلوں کو دیکھ رہا تھا۔ افراح کی متلاشی نگاہیں کمرے میں چاروں طرف گردش کررہی تھیں۔

"اس کی تلاش ہے تمہیں؟ یہ لو۔" عاشر نے اچانک پلٹ کر بیگ اس کے سامنے کیا تو وہ ہکا بکا ہو کر خوف زدہ نگاہوں سے اسے تکنے لگی۔ عاشر نے بازو بڑھا کر اسے خود سے قریب کیا۔

"تم مجھے جینا سکھا کر اب اکیلا چھوڑ کر کس کے آسرے پہ جارہی ہو۔ تمہارے بغیر میں پاگل ہو جاؤں گا۔ کہیں کا نہیں رہوں گا۔ میں سچ کہہ رہا ہوں اعتبار کرو میرا۔" عاشر کے لفظ لفظ میں سچائی تھی۔

"آپ تو ماہ نور سے محبت کرتے ہیں' وہ پھر سے ٹوٹے رابطے بحال کرنے آرہی ہے۔" اس وقت وہ عاشر کو رعایت دینے کے موڈ میں نہیں تھی۔

"میں نے اس سے کبھی محبت کی ہی نہیں ایک عمر دھوکے میں گزاری' یہی سمجھتا تھا کہ اس سے محبت کرتا ہوں' لیکن ماہ نور کی خود غرضی نے بہت جلد مجھے اس خوش فہمی کے خمار سے نکال دیا۔ میرا خمیر خود غرضی' نمائش پرستی کی مٹی سے نہیں گوندھا گیا ہے۔ میں ایک عام سا محبت کرنے والا بے لوث انسان ہوں۔ محبت کیا ہوتی ہے' کیسے ہوتی ہے میں نے اس لڑکی سے سیکھا جو میری پریشانی تک برداشت نہیں

کرسکتی اور اپنے زیورات تک میرے سپرد کردیتی ہے۔ اپنی محنت کی کمائی کے دو لاکھ روپے تک خوشی خوشی مجھے دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے۔ وہ لڑکی محتاجوں' غریبوں' ضرورت مندوں کے ساتھ اپنے فرض ایمان داری سے چکاتی پھرتی ہے۔ میں اس معصوم' سادہ دل' بے لوث لڑکی سے محبت کرتا ہوں' جس کے دل میں نیکی کے چھوٹے چھوٹے دیے روشن ہیں۔ روتی دھوتی افراح کو عاشر نے ننھے بچے کی مانند سینے سے لگالیا تھا۔

"اور وہ جو ماہ نور ہمارے گھر آرہی ہے' رافعہ آنٹی نے جو باتیں کی تھیں عالیہ آنٹی سے۔" وہ روتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"وہ دونوں بہنیں ہیں۔ امی نے انہیں جواب دے دیا ہے۔ ابو کو بھی یہ سب پسند نہیں ہے' باقی رہ گئی ماہ نور تو وہ غلط فہمی کا شکار ہے۔ ابھی اس کی خوش فہمی دور ہونے والی ہے' تم فوراً تیار ہو جاؤ' ہم پورے ایک ہفتے کے لیے آؤٹ آف سٹی جارہے ہیں۔ ہنی مون منانے' وہ بھی بائی روڈ' اب دیر مت کرنا۔"

"امی کو بتا کے۔"

"ہاں بابا امی کو میں نے رات کو ہی بتادیا تھا۔ تم فوراً امی سے مل کر تیار ہو کر گاڑی میں بیٹھو۔" عاشر نے اسے خود سے الگ کرکے کی چین اٹھائی۔ ماہ نور کا میسج آیا تھا اس کے فون پہ۔ وہ تھوڑی دیر میں پہنچ رہی تھی۔

عاشر اور افراح گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ جب باہر گیٹ پہ گاڑی کا ہارن بجا۔ عاشر نے ہی اٹھ کر گیٹ کھولا' کیونکہ اسے اپنی گاڑی بھی تو لے جانی تھی۔ ماہ نور حیرانی سے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ اس نے گاڑی باہر گیٹ پہ ہی چھوڑ دی تھی۔ افراح تیار ہو کر عاشر کے پاس کھڑی تھی' صاف لگ رہا تھا وہ کہیں جارہے ہیں۔

"مت۔۔۔ تم کہاں جارہے ہو؟" ماہ نور کی زبان پوچھتے ہوئے لڑکھڑائی۔

"میں نہیں' ہم جارہے ہیں ہنی مون کے لیے بائی روڈ اسلام آباد سے مری اور پھر وہاں سے دیگر جگہوں پہ۔۔۔ کیونکہ میری بیوی کو بائی روڈ سفر کرنا پسند ہے۔" عاشر نے پاس کھڑی افراح کے کندھے پہ اپنا بازو پھیلایا تھا۔ وہ جھینپ سی گئی تھی۔ پر عاشر کے چہرے پہ محبت کے رنگ بکھرے تھے۔

"تم جاؤ اندر' امی تمہارا انتظار کررہی ہیں۔" عاشر گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پہ بیٹھا۔ اس کے ساتھ افراح بھی بیٹھ چکی تھی۔ گاڑی گیٹ سے نکل رہی تھی۔ ماہ نور شکست خوردہ انداز میں ان دونوں کو جاتا دیکھ رہی تھی۔

عاشر نے روڈ پہ آتے ہی میوزک پلیئر کا بٹن آن کردیا تھا۔ موسم خطرناک حد تک حسین ہو رہا تھا۔ افراح نے ہتھیلی شیشے سے باہر نکالی۔ بارش کی پہلی بوند اس کے ہاتھ پہ گری تھی۔

دلنشیں میرے دل کی
جو رکھا ہے تو نے قدم
تیرے نام پہ میری زندگی
لکھ دی میرے ہمدم
ہاں سیکھا میں نے جینا جینا
کیسے سیکھا جینا جینا
میں نے جینا میرے ہمدم

عاطف اسلم کے ساتھ عاشر خود بھی گنگنا رہا تھا۔ افراح نے بے اختیار اس کے بالوں کو چھوا۔ اس نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے ایک ثانیے کے لیے افراح کی طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھا۔

باہر سڑک پہ بوندوں کا رقص شروع ہو چکا تھا۔ اسٹیئرنگ پہ رکھے عاشر کے ہاتھ پہ افراح نے اپنا ہاتھ یقین دلانے والے انداز میں رکھا تھا۔ زندگی کا سفر محبت کی شاہراہ پہ بہت آسان ہو گیا تھا۔